ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

بچوں کا اسلام

1111

اتوار 18 جمادی الاول 1445ھ مطابق 3 دسمبر 2023ء

پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

القرآن

نرم مزاجی

(اے محمدؐ) خدا کی مہربانی سے تمھاری افتادِ مزاج ان لوگوں کے لیے نرم واقع ہوئی ہے اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمھارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے، تو ان کو معاف کر دو اور ان کے لیے خدا سے مغفرت مانگو اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لیا کرو اور جب کسی کام کا عزمِ مصمم کر لو تو خدا پر بھروسا رکھو، بے شک خدا بھروسا رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (سورۂ آلِ عمران: آیت ۱۵۹)

الحدیث

لوگوں کے ساتھ نرمی کرو

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اے عائشہ! لوگوں کے ساتھ ہمیشہ نرمی اور محبت کا معاملہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ جس گھر والوں کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو ان کے لیے نرمی اور محبت کا دروازہ کھول دیتا ہے۔“ (رواہ احمد)

دستک

گیارہ گیارہ کی کھچڑی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

شمارہ ۱۱۱۰ پریس چلا گیا تو ہم نے حسبِ معمول اگلے شمارے پر کام شروع کرنے کے لیے ایک نیا فولڈر بنا کر اسے شمارہ نمبر دینا چاہا تو ۱۱۱۱ کا عدد لکھتے ہوئے ہماری سوچ ایک خاص رَو میں چل پڑی۔

خیال ہوا کہ بھئی یہ تو بڑا منفرد عدد ہے۔

گیارہ گیارہ، یعنی چار بار ’ایک‘ ایسا منفرد عدد ہے جو بچوں کا اسلام کی ساڑھے اکیس سال کی عمر میں آج آیا ہے یا پھر اس جیسا منفرد عدد مزید گیارہ سو گیارہ ہفتے یعنی ساڑھے اکیس سال کے بعد ہی بچوں کا اسلام کی پیشانی پر چمکے گا۔

جی ہاں! اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے بچوں کا اسلام جاری رہا تو شمارہ ۲۲۲۲ (بائیس بائیس) سال ۲۰۴۵ء میں شائع ہوگا......!

یعنی ملک عزیز پاکستان کے سو سالہ جشنِ آزادی سے محض دو سال پہلے۔

انسان جب بھی مستقبل کے بارے میں سوچتا ہے تو لامحالہ اپنے آپ کو اور اپنے حال کی زندگی کو مستقبل میں فریم کر کے سوچنے لگتا ہے۔ ہم نے بھی سوچا کہ اگر خوش نصیبی سے اتنے برس بچوں کا اسلام سے جڑے رہنے کا موقع ملا تو ہم چھیاسٹھ سال کے بابے مدیر ہوں گے۔ ہم ہی نہیں، ہمارے بہت سارے قارئین اور لکھاری بھی دادا دادی، نانا نانی کے رتبے پر فائز ہو چکے ہوں گے۔

ہم نے اپنی ذات سے اٹھ کر جب اپنی سوچ کا دائرہ وطنِ عزیز تک وسیع کیا تو اچھل ہی پڑے۔ ایسے ایسے خوشگوار مناظر نظر آئے کہ گردن فخر سے تن گئی اور سیروں خون بڑھ گیا۔

کیا دیکھتے ہیں کہ سو سال کی عمر کو پہنچ کر ہمارا ملک ایسا بھرپور کڑیل جوان ہو چکا ہے، جس سے پنجہ آزمائی کرنے کے خیال سے ہی دنیا تھرتھرانے لگتی ہے۔ اُس کی جوانی کی سرخی اس کے ہر شہری کو دنیا بھر میں سرخ رُو کر رہی ہے۔ پاکستانی ہونا پوری دنیا میں ایک اعزاز بن چکا ہے۔ اس کی ترقی کا یہ حال ہے کہ امریکا اور یورپ کے شہروں سے طلبہ جوق در جوق پاکستان کی جامعات میں پڑھنے کے لیے آنا چاہتے ہیں، مگر ہماری سرحدوں پر انھیں روک لیا جاتا ہے۔ وہ بے چارے پاکستانی سرحد پر لگے عارضی کیمپوں میں اپنی باری کے انتظار میں ٹھہرے اس ارضی جنت میں غیر قانونی طور پر داخل ہونے کے منصوبے بنا رہے ہیں کہ ہر کس وناکس کو پاکستان کا ویزہ ملنا بے حد دشوار ہو چکا ہے۔

پاکستان میں ہر طرف دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہیں اور وہ نہ صرف مسلم امہ کا قائد بن چکا ہے بلکہ پوری دنیا اسے باس مان چکی ہے۔ دنیا بھر میں پاکستانی روپے میں تجارت ہو رہی ہے، کیونکہ پاکستانی روپیہ کے سامنے پاؤنڈ، ڈالر سب پانی بھر رہے ہیں۔ ایک پاکستانی روپیہ پانچ سو ڈالر کے برابر ہو چکا ہے۔

نیز ہم نے دیکھا کہ دنیا بھر کے حکمران، پاکستانی حکمرانوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اُن کی خوشامد اور چاپلوسی کر رہے ہیں۔ کیونکہ ۲۰۴۷ء میں ہمی ہیں جو انھیں قرضہ دیتے ہیں اور ہمی ہیں جو ورلڈ آرڈر جاری کرتے ہیں!

اور ہاں......! پاکستان میں دکان دار اُدھار بھی دینا شروع کر چکے ہیں، کیونکہ کشمیر ہی نہیں فلسطین بھی آزاد ہو چکا ہے۔

کیوں بھئی آ رہا ہے نا مزہ......؟

جاری رکھیں پھر یہ لطف انگیز مشق؟

سچی ہم بڑے آرام سے ایسے مزید ارتصورات کی کھچڑی گھنٹوں تک بلکہ کئی ہفتوں تک پکا سکتے ہیں اور وہ بھی اس خوبصورتی سے کہ آپ لوگ ہماری ”تصوراتی سفر کی روداد“ بھول جائیں گے۔

کیونکہ ظاہر ہے بیٹھے بیٹھے بنا ہاتھ پیر ہلائے بس تصور کے آسمان پر تخیل کی پتنگ اڑاتے رہنے سے بل ولِ تو کوئی آتا نہیں ہے۔

جس طرح کووں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے، اسی طرح ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے اپنے آبا و اسلاف کے کارناموں کی جگالی کرتے رہنے اور بدخواہوں کو بددعائیں دینے سے تقدیر نہیں بدلا کرتی، جب تک عملی قدم نہ اٹھائے جائیں۔

تھے تو آبا وہ تمھارے ہی، مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو!

اس میں کوئی شک نہیں کہ قربِ قیامت کی بڑی بڑی اور بری بری علامتوں کے درمیان ایک بشارت بھی ہے کہ ایک نہ ایک دن حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمدِ ثانی کی برکت سے کشمیر اور فلسطین ہی نہیں، پوری دنیا کے انسان اپنے اپنے بتوں کی غلامی سے آزاد ہو کر خدائے واحد کی غلامی میں ضرور آئیں گے۔ شرک ہر کچے پکے گھر سے مٹ کر رہے گا، مگر یہ دلکش مناظر وہی دیکھے گا، جو آج عمل پر کھڑا ہوگا۔ جو اُن دل خوش کن ایام کے آنے سے پہلے والے انتہائی آزمائش والے سخت دنوں میں ثابت قدم رہے گا۔

ورنہ خیالی پلاؤ پکا پکا کر ہم جیسے الفاظ کا بگھار کرنے والوں سے تو کوئی انقلاب نہیں آنے والا۔ خدانخواستہ ایسی ہی صورتحال رہی تو ۲۲۲۲ میں ہم جیسا کوئی مدیر آپ کو شمارہ ۳۳۳۳ یعنی ۲۰۶۷ء کی سیر اس سے زیادہ اونچے الفاظ میں کروا رہا ہوگا، لیکن من حیث القوم اس وقت ہم کہاں ہوں گے، اللہ میاں ہی جانیں!

والسلام

محمد فیصل شہزاد

ایک خوش نصیب سخی!

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد دولت مند آدمی تھے۔ اُن کی وفات کے بعد ساری جائیداد حضرت عبداللہ کو ملی لیکن یہ بہت زیادہ سخی تھے، اس لیے جائیداد ہونے کے باوجود آپ کے سر پر قرض چڑھا رہتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا تو اس وقت آپ کی عمر قریباً ۲۷ سال تھی۔

نبوت کے تیرہویں سال مدینے سے ایک بڑا قافلہ حج کے لیے مکے کی طرف روانہ ہوا۔ اس قافلے میں مشرکوں کے ساتھ ساتھ ۷۴ مسلمان بھی تھے۔ یہ مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کرنے کی نیت سے روانہ ہوئے تھے۔ اس قافلے کے مشرکوں میں حضرت عبداللہ بن عمرو بھی شامل تھے۔

راستے میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور یہ اپنے نوجوان بیٹے جابر کے ساتھ مسلمان ہوگئے۔ گویا آپ نے چالیس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ اِن سب حضرات نے عقبہ کے نشیب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی اور یہی وہ موقع ہے، جب اُن سب نے آپ کو مدینہ منورہ تشریف لانے کی دعوت دی اور آپ کی ہر طرح مدد کرنے اور حفاظت کرنے کا وعدہ کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دعوت دینے میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی پیش پیش تھے۔ آپ نے ان کی بات منظور فرمائی۔ اِس بیعت کو دوسری بیعت عقبہ کہا جاتا ہے یا بیعت عقبہ کبیرہ ثانیہ بھی کہتے ہیں۔ ایک نام بیعت عقبہ کبیرہ بھی ہے۔

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان حضرات سے فرمایا:

”میرا خون تمھارا خون ہے اور میرا ذمہ تمھارا ذمہ ہے، میں تمھارا ہوں اور تم میرے ہو، تم جس سے لڑوگے میں بھی اس سے لڑوں گا اور جس سے تمھاری صلح ہوگی اس سے میری صلح ہوگی۔“

ان الفاظ کے فوراً بعد سب لوگ بیعت کے لیے لپک پڑے۔

ان سب نے ایک آواز ہوکر کہا:

”اے اللہ کے رسول! ہم اپنے عہد و پیمان کو پورا کریں گے تو ہمارے لیے کیا ہے؟“

آپ نے جواب میں فرمایا: ”جنت۔“

اب سب لوگ جوش و خروش سے بیعت کرنے لگے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس بیعت میں شریک تھے۔

اس بیعت کی تاریخ میں بہت زیادہ اہمیت ہے۔

بیعت کے بعد آپ نے اُن حضرات سے فرمایا:

”حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل کے بارہ نقیب منتخب کیے تھے۔ تم بھی دینی باتوں کی حفاظت کے لیے اپنے بارہ نقیب چن لو۔“

چنانچہ مدینہ منورہ کے اُن بہترین افراد نے بارہ آدمی چن لیے۔ اُن میں نو قبیلہ خزرج اور تین قبیلہ اوس کے تھے۔

خزرج کے نو میں سے ایک حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ تھے۔ انھیں ان کے خاندان بنوسلمہ کا نقیب مقرر کیا گیا۔ بنوسلمہ قبیلہ خزرج ہی کی ایک شاخ تھی۔

مدینہ واپس پہنچ کر ان حضرات نے زور و شور سے اسلام کی تبلیغ شروع کردی، خاص طور پر اُن میں سے دو کا ذکر آپ نے ان الفاظ میں فرمایا:

”اللہ تعالیٰ انصار کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے، خاص طور پر عبداللہ بن عمرو اور سعد بن عبادہ کو۔“

اِس بیعت کے بعد مسلمانوں کی مدینے کی طرف ہجرت شروع ہوئی اور انصار نے اپنی جانیں، اپنے مال غرض سب کچھ مہاجرین کے لیے پیش کردیا۔

(انتخاب: عبداللہ صادق۔ کراچی)

☆☆☆

دُرود کے مسنون صیغے (۹)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”زاد السعید“ کے نام سے صلوٰۃ وسلام پر مشتمل چالیس صیغے جمع فرمائے۔

حضرت لکھتے ہیں: ”جو صیغے صلوٰۃ وسلام کے احادیث میں آئے ہیں اُن میں سے چالیس صیغے پیش ہیں جن میں سے پچیس صلوٰۃ کے اور پندرہ سلام کے ہیں۔“

انہی مسنون صیغوں سے ہر ہفتے درود وسلام کا ایک صیغہ پیش کیا جارہا ہے۔

قارئین! انھیں یاد کیجیے، روزانہ پڑھنے کا اہتمام کیجیے اور اپنے دوستوں کو بھی یاد کروائیے۔ اس طرح درود وسلام کا اجر بھی ملے گا، تلاوت حدیث کا بھی اور چالیس احادیث یاد کرنے کروانے پر از روئے حدیث قیامت کے دن علماء کرام کے ساتھ اٹھائے جانے کی بشارت کے مستحق بھی آپ بن جائیں گے۔ کیوں ہے نا مزے کی بات؟! (مدیر)

صلوٰۃ کا نواں صیغہ:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

سلام کا نواں صیغہ:

بِسْمِ اللهِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ شَهِدْتُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ شَهِدْتُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ.

خط کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام، ناظم آباد، کراچی
bkislam4u@gmail.com, 021 366 099 83

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر بچوں کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 1500 روپے بیرون ملک ایک میگزین 22000 روپے دو میگزین 25000 روپے
انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

بھولا

شازیہ نور

"چاند میاں!...... چاند میاں!"

امی آوازیں لگا رہی تھیں مگر چاند میاں کمرے میں ہوتے تو جواب دیتے ناں۔

وہ تو چھت پر کھڑے اکا دُکا اڑتی پتنگیں دیکھ رہے تھے۔ آج انھیں بخار تھا، اِس لیے اسکول نہیں گئے تھے، جبکہ باقی سب بچے اسکول جا چکے تھے۔

امی نے کچھ دیر پہلے چاند میاں کو پانی پیتے دیکھا تھا۔ اب باورچی خانہ صاف کرتے کرتے انھیں خیال آیا کہ چاند میاں کو دوا بھی تو پلانی ہے، اسی لیے وہ آواز دے رہی تھیں تا کہ چاند میاں اپنی دوا کے لیے تیار ہو جائیں۔

جب انھیں اپنی پکار کا کوئی جواب نہ ملا تو وہ انھیں تلاش کرتی ہوئی چھت پر آ گئیں۔

"ارے آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

امی ان کے قریب جا کر بولیں۔

"کچھ نہیں امی!" چاند میاں اطمینان سے بولے۔

"اچھا چلیں نیچے جا کر دوا پی لیں۔"

امی نے مسکرا کر کہا۔

"دوا پی کر کیا کروں گا؟" چاند میاں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" امی بولیں۔

"وہ تو میں پہلے ہی کچھ نہیں کر رہا، پھر دوا پینے کا فائدہ۔"

دراصل چاند میاں نیچے جانا نہیں چاہ رہے تھے۔

"پیارے بیٹے! اس طرح آپ کی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔" امی نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"اچھا امی جان! ایک بات بتائیں، ہم تو نیچے اوپر سیڑھیوں سے جاتے ہیں مگر یہ بتائیے کہ یہ جو اتنی اوپر پتنگیں اڑ رہی ہیں یہ کیسے اوپر چلی جاتی ہیں؟"

چاند میاں نے پُرتجسس لہجے میں کہا۔

"یہ خود نہیں جاتیں بلکہ انھیں لوگ اڑا رہے ہیں۔"

امی نے سمجھایا۔

"لوگ کیسے اڑا رہے ہیں؟"

چاند میاں تحقیق کے موڈ میں تھے۔

"بیٹا! پتنگ میں ڈور باندھ کر جب ہوا میں اچھالتے ہیں تو ہوا کے زور سے پتنگ اوپر چلی جاتی ہے۔"

"مگر امی! میں تو بہت دیر سے پتنگیں دیکھ رہا ہوں مجھے تو ڈور نظر نہیں آ رہی۔" چاند میاں الجھن کا شکار تھے۔

"اچھا تو آپ اتنی دیر سے پتنگیں دیکھ رہے تھے اور مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ کچھ نہیں کر رہا۔"

امی نے شکایتی انداز میں کہا۔

"جی امی! میں تو دیکھ رہا تھا 'کر' کچھ بھی نہیں رہا تھا، اگر آپ پوچھتیں کہ کیا دیکھ رہے ہو تو میں بتاتا کہ پتنگیں دیکھ رہا تھا۔" چاند میاں جواب دیتے دیتے امی جان کے ساتھ نیچے آ گئے تھے۔

"امی جان! مجھے بھی پتنگ اڑانا ہے۔"

نیچے آ کر چاند میاں بولے۔

"نہیں بیٹا! یہ کوئی اچھا کھیل نہیں ہے، بس وقت ضائع ہوتا ہے اس میں۔"

امی نے فوراً منع کر دیا۔

"تو امی! کون سے کھیل سے وقت ضائع نہیں ہوتا؟"

چاند میاں پُرتجسس لہجے میں بولے۔

امی نے ان کے سوال کا جواب دینے کے بجائے ان کو دوا پلائی اور آرام کرنے کا مشورہ دیا تا کہ تھکن سے دوبارہ بخار نہ چڑھ جائے لیکن چاند میاں اب پتنگ اڑا کر دیکھنا چاہتے تھے کہ پتنگ بلند کیسے ہوتی ہے؟ اس لیے بھائی جان کے اسکول سے گھر آتے ہی وہ ان سے فرمائش کرنے لگے کہ بھائی جان انھیں پتنگ لا کر دیں۔

"مگر چھت پر پتنگ اڑانا تو اب منع ہے اور جو کام منع ہو اس کا کرنا غلط ہوتا ہے۔"

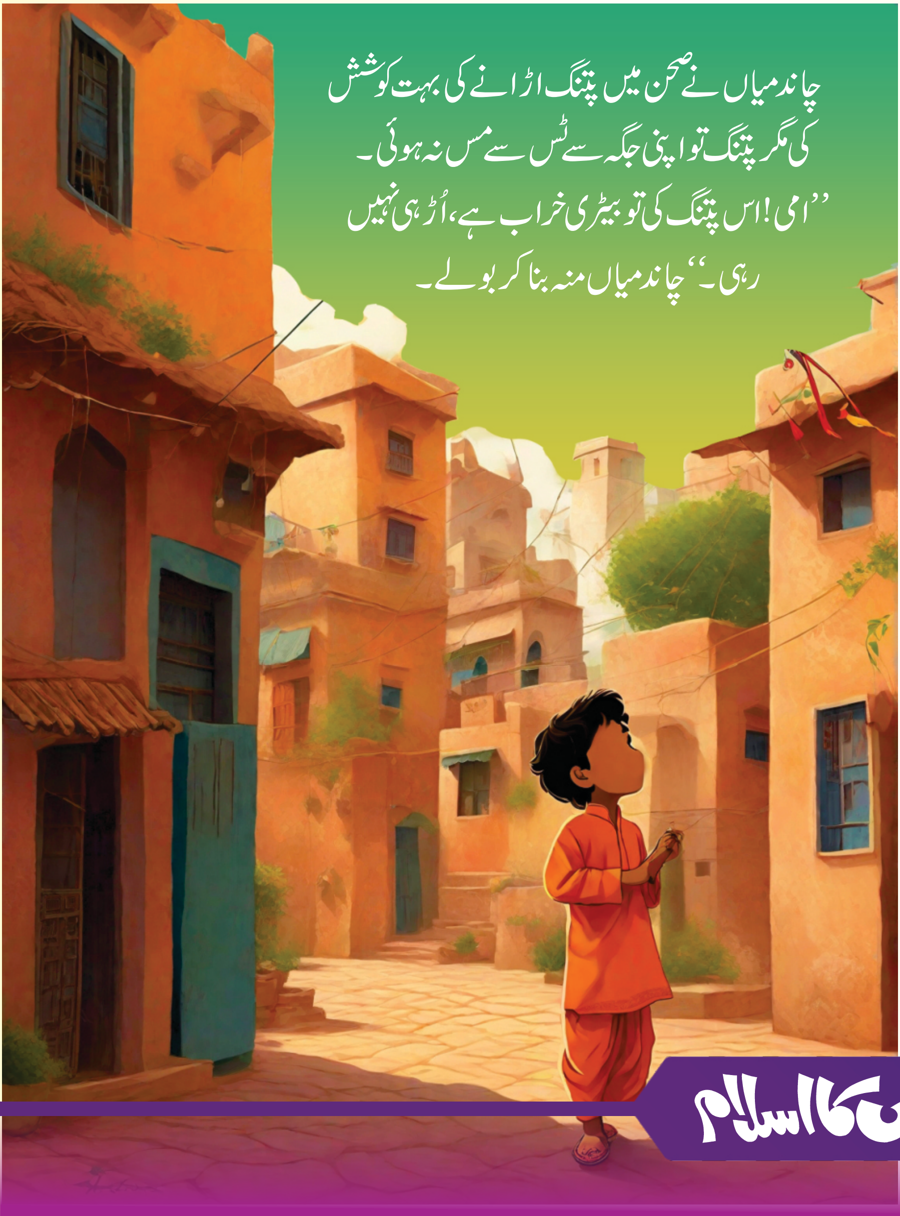

بھائی جان نے انھیں سمجھانے کی کوشش کی۔
''اچھا میں کمرے میں پتنگ اڑا لوں گا۔'' چاندمیاں ضدی انداز میں بولے۔
''ہاہاہا......کمرے میں پتنگ کب اڑتی ہے بھلا؟'' بھائی جان ہنس دیے۔
''جب ہم کمرے میں اڑاتے ہیں تب اڑتی ہے۔'' چاندمیاں بولے۔
''وہی تو پوچھ رہا ہوں کمرے میں کیسے اڑے گی پتنگ؟'' بھائی جان اب سنجیدہ لہجے میں بولے۔
''بس مجھے اڑانی ہے پتنگ، میں صحن میں اڑا لوں گا۔'' چاندمیاں ماننے کو تیار نہ تھے۔
''اچھا بیٹا! اڑا لینا پتنگ۔'' امی سمجھ گئی تھیں کہ چاندمیاں نے ضد پکڑ لی ہے اور وہ بیمار بھی ہیں اس لیے وہ نہیں مانیں گے سو بھائی جان سے بولیں: ''جاؤ بیٹا! ایک چھوٹی سی پتنگ لا دو چاندمیاں کو، میں دھاگا نکال دیتی ہوں، باندھ دینا، چاندمیاں کا شوق پورا ہوجائے گا اور چاندمیاں یہ پتنگ آپ کے جیب خرچ سے آئے گی۔''
امی نے چاندمیاں کی طرف دیکھ کر تاکید سے کہا۔
''ٹھیک ہے امی جان۔'' چاندمیاں مان گئے۔
''اور ہاں ایک گیس والا غبارہ بھی لے آنا۔''
امی نے بھائی جان کو تاکید کے ساتھ کہا۔
''گیس والا غبارہ؟''
بھائی جان بے یقینی کی سی کیفیت میں بولے۔
''ہاں ہاں بھئی گیس والا غبارہ۔'' امی نے مسکرا کر کہا۔
''جی بہتر امی جان۔''
بھائی جان کچھ ہی دیر میں یہ دونوں چیزیں لے آئے۔
چاندمیاں نے صحن میں پتنگ اڑانے کی بہت کوشش کی مگر پتنگ تو اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی۔
''امی! اس پتنگ کی تو بیٹری خراب ہے، اُڑ ہی نہیں رہی۔'' چاندمیاں منہ بنا کر بولے۔
سب ہنس پڑے۔ امی نے بھائی جان کو اشارہ کیا۔ اب بھائی جان نے پتنگ کے ساتھ گیس کا غبارہ باندھ دیا۔''
''لیں چاندمیاں! اب اڑائیں پتنگ۔''
بھائی جان نے کہا۔
''واہ یہ تو بہت اچھی ترکیب ہے ہوا میں اڑنے کی۔''
چاندمیاں خوش ہوگئے۔
اب چاندمیاں غبارے والی پتنگ اڑا رہے تھے۔
امی بچوں کو لے کر کمرے میں چلی گئیں اور بچوں کو ایک مزیدار کہانی سنانے لگیں۔
آدھے گھنٹے بعد ہی چاندمیاں منہ لٹکائے کمرے میں داخل ہوئے۔
''مجھے تو کوئی مزہ نہیں آرہا پتنگ اڑانے میں، بلکہ اوپر دیکھ دیکھ کر میری تو گردن میں درد ہوگیا ہے۔''
''ہمیں تو بہت مزہ آیا، امی نے بڑی مزے کی کہانی سنائی۔''
آپی نے کچھ اس انداز سے کہا کہ چاندمیاں مچل گئے۔
''امی مجھے بھی سنائیں ناں!''
''مگر آپ نے تو پتنگ سے مزہ کرلیا۔''
امی نے مسکرا کر کہا۔
''نہیں بالکل نہیں، مجھے نہیں اچھا لگا پتنگ اڑانا۔''
چاندمیاں روہانسے ہوکر بولے۔
''تو اب آپ پتنگ اڑانے کی ضد تو نہیں کریں گے ناں؟'' امی نے پوچھا۔
''نہیں بالکل نہیں۔'' چاندمیاں گردن ہلا کر بولے۔
''چلیں ٹھیک ہے میں رات کو کہانی سناؤں گی سونے سے پہلے، اور اب سب بچے یاد رکھیں پتنگ اڑانے سے وقت ضائع ہوتا ہے، پیسہ بھی ضائع ہوتا ہے، بلا وجہ کی تھکن بھی ہوتی ہے، اس لیے پتنگ نہیں اڑانی چاہیے۔''
''جی امی جان! پتنگ اڑانے سے میرا وقت ضائع ہوگیا، گردن میں درد ہوگیا، پیسے بھی ضائع ہوگئے، کیونکہ میں نے پتنگ ہوا میں چھوڑ دی اور وہ کہیں دور چلی گئی، اور میں تھک بھی گیا ہوں۔'' چاندمیاں بیزاری سے بولے۔
''چلیں صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔'' بھائی جان معنی خیز انداز میں بولے۔
''یہ بھولا کون ہے بھائی جان؟''
چاندمیاں نے بھولپن سے کہا۔
بھائی جان سمیت سب نے امی کی طرف دیکھا جو چاندمیاں کو سدھارنے کے لیے اپنی ترکیب پر دل ہی دل میں اللہ کا شکر کر رہی تھیں۔

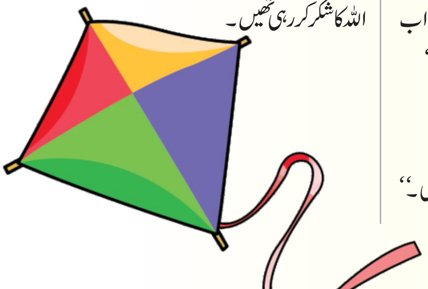

مسکراہٹ کے پھول

☆......ایک صاحب مکان کے سامنے بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے کہ ایک بھکاری نے سوال کیا۔ اُن صاحب نے اِدھر اُدھر دیکھا اور کہنے لگے: ''بعد میں آنا گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے۔''
بھکاری عاجزی سے بولا: ''جناب! تھوڑی دیر کے لیے آپ ہی آدمی بن جائیں۔''

☆......ایک طالب علم نے اپنے دوست سے کہا: ''بھئی! تم ذرا میری مدد کرو اور یہ بتاؤ کہ میں اپنے ابّو کو کیسے اِطلاع دوں کہ میں تیسری بار بھی امتحان میں فیل ہوگیا ہوں۔''
دوست نے جواب دیا: ''یہ تو بہت آسان سی بات ہے انھیں بتا دو کہ نتیجہ نکل آیا ہے اور کوئی نئی بات نہیں ہوئی۔''

☆......ایک ڈبل ڈیکر بس اسٹاپ پر رکی۔ ایک شخص نیچے کی منزل پر سوار ہوا تو ڈرائیور نے اُسے کہا: ''جناب! نیچے جگہ نہیں ہے آپ اُوپر کی منزل پر تشریف لے جائیں!''
وہ آدمی اُوپر چلا گیا، لیکن تھوڑی دیر بعد نیچے آکر بڑے غصّے کے ساتھ ڈرائیور سے بولا: ''تم مجھے مروانا چاہتے ہو؟ اُوپر تو کوئی ڈرائیور ہی نہیں ہے۔''

☆......دوڑ کے مقابلے میں ایک آدمی سب سے پیچھے لنگڑاتا ہوا جا رہا تھا کہ اچانک اُس نے اتنا تیزی سے دوڑنا شروع کر دیا کہ وہ دوڑ میں پہلے نمبر پر آگیا۔
اخباری رپورٹروں نے اُس سے پوچھا:
''آپ نے یہ دوڑ کس طرح جیت لی؟''
اُس نے جواب دیا: ''یہ تو میں بعد میں بتاؤں گا پہلے یہ بتاؤ کہ میرے پیچھے کتا کس نے لگایا تھا؟''

☆......ایک شخص اپنی مرغیوں کو دانہ ڈال رہا تھا۔ وہ ایک مرغی کو لاتا، اُسے دانہ کھلاتا پھر ڈربے میں بند کرآتا، پھر دُوسری کو لاتا اُسے دانہ کھلانے کے بعد ڈربے میں چھوڑ آتا۔ قریب سے گزرتے ہوئے ایک آدمی نے کہا: ''ارے بے وقوف! تم وقت ضائع کیوں کررہے ہو؟ ایک ہی بار سب کو دانہ ڈال دو۔''
اُس شخص نے بڑی معصومیت سے جواب دیا: ''بھئی! وقت کیسے ضائع ہو رہا ہے مرغیوں نے کون سا دفتر جانا ہے۔''

☆......کنجوس (اپنے دوست سے): ''میں نے آج بھکاری کی جان بچائی ہے۔''
دوست: ''وہ کیسے؟''
کنجوس: ''میں نے بھکاری سے پوچھا کہ اگر میں تمھیں پچاس روپے دوں تو تم کیا کرو گے؟ اُس نے کہا کہ میں خوشی سے مرجاؤں گا میں نے اُس کی جان بچانے کے لیے اُسے پیسے نہیں دیے۔''

(انتخاب: نذیر اختر۔ کوہاٹ)

انسپکٹر جمشید سیریز

اُونٹ رے اُونٹ!

۳

اشتیاق احمد

"لیجیے جناب! میں ڈرافٹ نکلوا لایا ہوں، اگرچہ اس کے لیے مجھے خصوصی اجازت لینا پڑی، اور اس کے پیچھے دستخط نہیں ہیں۔" اس نے اندر آتے ہوئے کہا۔

"مجھے دکھائیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

ڈرافٹ ہاتھ میں لے کر انھوں نے اس پر ایک نظر ڈالی، پھر خان رحمان سے بولے: "اپنی نوٹ بک سے اس ڈرافٹ کو ملاؤ، یہ وہی ہے یا کوئی اور ڈرافٹ ہے؟"

"اچھی بات ہے۔"

خان رحمان نے اپنی بک کھول کر ڈرافٹ، نمبر، تاریخ وغیرہ چیک کی اور بولے: "یہ بالکل وہی ڈرافٹ ہے۔"

"اس کا مطلب ہے، دستخط مٹائے گئے ہیں۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" کلرک نے فوراً کہا۔

"ایک منٹ جناب! ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا ہے۔"

یہ کہہ کر انھوں نے ڈرافٹ الٹا کر میز پر رکھ دیا اور اپنی جیب سے پنسل نکالی۔ انھوں نے پنسل کے سکے کو آہستہ آہستہ پھرانا شروع کیا، جلد ہی دستخط ابھر آئے۔

"یہ دیکھیے، اس جگہ میرے دوست نے دستخط کیے تھے، انھوں نے بال پوائنٹ سے دستخط کیے تھے، لہٰذا کاغذ پر گہرے نشان پڑے تھے۔ روشنائی مٹانے والے لوشن تو آج کل عام مل جاتے ہیں لیکن وہ یہ بھول گئے کہ بال پوائنٹ کے دباؤ کو پھر سے ابھارا جا سکتا ہے۔"

انسپکٹر پولیس نے ڈرافٹ الٹا کر بغور دیکھا۔

دستخط بالکل صاف تھے، اس نے کلرک کی طرف دیکھا۔

"اب تم کیا کہتے ہو؟ یہ تو صاف جعل سازی ہے۔ تم نے شاید اُن لوگوں سے بڑی رقم وصول کر کے کمرے انھیں دے دیے اور ان سے کرائے کی رقم لے کر جیب میں ڈال لی۔ ڈرافٹ بنک میں جمع کرا دیا تا کہ ہوٹل کے منیجر تم پر خورد برد کا الزام بھی نہ لگا سکیں، کیوں یہی بات ہے نا؟"

"نن...... نہیں۔"

"نہیں تو پھر اس ڈرافٹ پر سے دستخط کیوں مٹائے گئے ہیں؟ اسے گرفتار کر لو اور ان چھے کو بھی، ان کا سامان بھی قبضے میں لے لو اور آپ اب اپنے کمروں میں جا سکتے ہیں؟"

"انسپکٹر صاحب! یہ آپ اچھا نہیں کر رہے۔"

ان چھے میں سے ایک بولا۔

"بکومت۔" انسپکٹر نے بھنا کر کہا۔

اور پھر وہ اپنے کمروں میں آ گئے۔

"حیرت ہے جمشید! کمال ہیم ہم تو ڈر رہے تھے اور تم نے چٹکی بجاتے مسئلہ حل کر دیا۔"

"میں نے اسی لیے تو غیر قانونی حرکت کی تھی کہ پولیس آئے گی تو ڈرافٹ نکلوانے میں آسانی ہوگی اور اس کے بغیر ہم اپنے آپ کو سچا ثابت نہیں کر سکتے تھے۔"

"بہرحال مزا آ گیا...... ارے مم...... مگر...... ہم ظہور کا کیا کریں؟"

"بھئی ظہور کے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، وہ بھی آ جائے گا۔"

"خود بخود آ جائے گا؟ اسے کیا معلوم کہ ہم کہاں ٹھہرے ہیں۔"

"فکر نہ کرو۔" وہ بولے۔

"پتا نہیں جمشید! تمھارے ذہن میں کیا ہے؟"

"تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو۔" وہ مسکرائے۔

"اچھی بات ہے، جو تم کہتے ہو، دیکھ لیں گے۔" خان رحمان نے برا سا منہ بنایا۔

ابھی وہ اپنا سامان رکھ رہے تھے کہ قدموں کی آواز ابھری۔ وہ مڑے اور حیرت زدہ رہ گئے۔ ہوٹل کا وہی کلرک چلا آ رہا تھا۔

"ارے...... آپ کو تو گرفتار کر لیا گیا تھا۔"

"ہمیں کون گرفتار کر سکتا ہے؟ اپنا سامان اٹھاؤ اور چلتے پھرتے نظر آؤ، یہ کمرے ان کے ہیں۔"

انھوں نے دیکھا۔ وہ چھے آدمی بھی اس کے پیچھے تھے۔

"اور اس پولیس آفیسر کا کیا کیا؟ کتنی رشوت دی اسے۔"

"اب جا کر اس بنیاد پر اُس پر کیس کر دیں۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"اب ہم ان کمروں کا قبضہ نہیں چھوڑیں گے، اس پولیس آفسر کو یہاں بلا کر لائیں۔"

"کیا کہا...... قبضہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"ہاں! نہیں چھوڑیں گے۔"

"وہ تو ہم ایک منٹ میں چھڑوا لیں گے، ان کا سامان اٹھا کر باہر پھینک دو بھئی۔"

"کیا کہا، سامان اٹھا کر باہر پھینک دو...... ذرا ہاتھ تو لگا کر دکھانا۔" محمود نے کہا۔

وہ چھے آدمی آگے بڑھے۔

"خبردار! اگر کسی نے ہمارے سامان کو ہاتھ بھی لگایا تو نتیجے کے ذمے دار آپ خود ہوں گے۔" فاروق چلا اٹھا۔

وہ مسکرا دیے، جیسے کسی بچے کی بات پر کوئی مسکرا دیتا ہے اور سامان کی طرف بڑھتے رہے۔

"ابا جان! یہ تو بالکل بہرے ہو گئے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں، اُن کے کان کھول دیتے ہیں، جب سننے کے قابل ہو جائیں، تب تم اپنی بات ان کے کانوں میں ڈال دینا۔"

"ٹھیک ہے...... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"کمرے کا دروازہ بند کر دو تا کہ آس پاس کے لوگ پریشان نہ ہوں۔"

انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"جی بہتر!" محمود نے کہا اور دروازہ بند کر دیا۔

وہ چھے آدمی چونک کر مڑے۔

"اوہو! تو کیا تم ہم سے ہاتھا پائی کرو گے۔"

"میں اتنا بے وقوف نہیں...... محمود! میں سمجھ گیا...... دروازہ کھول دو۔"

"جی کیا مطلب آپ سمجھ گئے کہ آپ اتنے بے وقوف نہیں؟ تو کیا اب سے پہلے آپ خود کو......"

وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"یہ بات نہیں...... میں اُن کی چال سمجھ گیا ہوں...... تم دروازہ کھول دو۔"

"آپ کہتے ہیں تو کھول دیتا ہوں۔"

اس نے کہا اور چٹخنی گرا دی۔

"اب تم لوگ چلتے پھرتے نظر آؤ...... ورنہ ہم دھما کا کر دیں گے۔" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

"دھما کا کر دو گے...... ارے تو کرو نا دھما کا...... یہی تو ہم چاہتے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں تم لوگ کیا چاہتے ہو...... لیکن وہ ہوگا نہیں...... ہاں۔" انھوں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"یہ کیا چاہتے ہیں...... کچھ ہمیں بھی بتائیے۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تم ذرا دروازے سے نکل کر کھڑے ہو جاؤ...... اور لوگوں کو جمع کرنا شروع کر دو۔"

"کک......کیا مطلب؟" تینوں نے حیران ہو کر کہا۔

"لوگوں کو بتانا شروع کر دو کہ چھے آدمی ہم پر حملہ آور ہونے کے لیے آئے ہیں، ذرا آپ لوگ بھی یہ نظارہ کر لیں۔"

"اوہ اچھا......آپ گواہ بنانا چاہتے ہیں۔"

فرزانہ مسکرائی۔

"ہاں شکر ہے......بات تمھاری سمجھ میں تو آئی۔"

"ہزار گواہ بنا لو......اس سے ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا۔"

"بس دیکھتے جاؤ......ہوتا کیا ہے۔"

اور پھر محمود، فاروق اور فرزانہ برآمدے میں سے گزرنے والوں کو خوف زدہ انداز میں روکنے لگے۔

ان کے چہروں پر بے پناہ خوف دیکھ کر لوگ رکنے پر مجبور ہو گئے۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟" ایک نے کہا۔

"یہ لوگ ہمیں ہمارے کمروں سے نکال دینا چاہتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"کیوں مسٹر!......کیا بات ہے؟" ایک نے غرا کر کہا۔

"یہ کمرے اُن کے نہیں، ہمارے ہیں۔"

چھے میں سے ایک نے کہا۔

"یہ تو کہہ رہے ہیں، یہ کمرے آپ کے نہیں ہیں۔"

"تھوڑی دیر پہلے ہمارے اور ان کے درمیان ایک پولیس آفیسر نے فیصلہ کیا تھا، اور پولیس آفیسر انھیں گرفتار کر کے لے گیا تھا، کیونکہ یہ فراڈ ثابت ہو گئے تھے، ان کے ساتھ ہوٹل کا کلرک بھی فراڈ ثابت ہو گیا تھا لیکن غالباً یہ رشوت دے کر پھر آ گئے ہیں۔"

انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"اے تم لوگ اپنا راستہ ناپو، ہمارے معاملے میں دخل دیا تو ہم سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"

"لیکن یہ لوگ بے چارے غیر ملکی ہیں، ان کے ساتھ زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔"

ایک نے ہمدردانہ انداز میں کہا۔

"تم سے جو ہوتا ہے تم کر لو......ہم ان کا سامان اٹھا کر باہر پھینکنے لگے ہیں۔"

ایک نے کہا اور ساتھ ہی ان کے ہاتھوں میں لمبے پھل والے چاقو نظر آنے لگے۔

چاقو دیکھ کر ان سب کے جسموں میں سنسنی دوڑ گئی۔

"ارے باپ رے......انھوں نے تو چاقو نکال لیے۔"

"ہاں! بہتر ہو گا، آپ خود اپنا سامان اٹھا لیں اور یہاں سے نکل جائیں، لڑائی جھگڑے کا آخر فائدہ کیا ہے؟"

"لیکن اس طرح دنیا میں انصاف کہاں رہ جائے گا۔" انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا۔

"وہ پہلے ہی کب رہ گیا ہے۔"

چھے میں سے ایک نے کہا۔

"ہم تو جاتے ہیں، یہ لوگ تو خون خرابے پر تلے ہوئے ہیں۔" رکنے والوں میں سے ایک نے کہا۔

"ایسے نہ جائیں، میرا دعویٰ ہے یہ ہمارے سامان کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکیں گے، ہم ان کے راستے میں جو آ گئے ہیں، پہلے ان لوگوں کو ہمیں ہٹانا ہو گا۔"

"یہ کیا مشکل ہے......تم تو ریت کی دیوار ہو۔"

ایک بولا۔

"آپ سن رہے ہیں، یہ ہمیں ریت کی دیوار کہہ رہے ہیں، حالانکہ ابھی تھوڑی دیر بعد یہ بھیگی بلیوں کی طرح بھاگتے نظر آئیں گے۔"

"کیا کہا؟ ہم اور بھیگی بلیوں کی طرح بھاگتے نظر آئیں گے، گھاس چر گئے ہو کیا۔"

"اچھا تو پھر آؤ......اگر سامان اٹھانے کی ہمت ہے تو اٹھا کر دکھاؤ۔"

وہ چاقو لہراتے آگے بڑھے۔ ان کے سامنے صرف انسپکٹر جمشید اور خان رحمان تھے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ دروازے پر تھے۔

"کیا ہم بھی آئیں ابا جان؟" محمود نے پوچھا۔

"نہیں، اس طرح مزا نہیں آئے گا بلکہ خان رحمان تم بھی دروازے پر چلے جاؤ۔"

"مم......میرا نام بلکہ خان رحمان نہیں......صرف خان رحمان ہے۔"

انھوں نے گڑبڑا کر کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے...... مان لیا...... میں جو کہہ رہا ہوں......وہ کرو۔"

"لیکن اس طرح تو تم ان کے مقابلے پر اکیلے رہ جاؤ گے۔"

"فکر نہ کرو۔" وہ بولے۔

"اچھی بات ہے، نہیں کرتا فکر اور یہ چلا گیا اُن کے پاس۔" انھوں نے کہا اور دروازے پر آ گئے۔

"آپ عجیب ہیں، اپنے دوست کو چھوڑ کر ادھر آ گئے۔"

تماشا دیکھنے والوں میں سے ایک نے کہا۔

"یہ اس کا حکم ہے اور اپنے حکم کی خلاف ورزی وہ برداشت نہیں کرتا، اب وہ آپ لوگوں کو ایک عجیب تماشا دکھائے گا۔"

"اوہ اچھا، ان چھے چاقو بازوں کے مقابلے میں آپ کا پتلا دبلا ساتھی تماشا دکھائے گا؟"

"تت......تو......کیا یہ چاقو باز ہیں۔"

"ہاں! ہمارے ہاں چاقو باز بہت ہیں......اور یہ تو شکل و صورت سے چاقو باز ہی نہیں...... جوڈو کراٹے، مارشل آرٹ وغیرہ کے ماہر بھی لگتے ہیں۔"

"ارے باپ رے......یار جمشید! تم سن رہے ہو؟"

"میں نے کان بند نہیں کر رکھے۔"

"یہ لوگ آرشل مارٹ، کوڈو جراٹے اور پتا نہیں کس کس چیز کے ماہر ہیں۔" خان رحمان نے بوکھلا کر کہا۔

"پروا نہ کرو۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"اچھی بات ہے۔"

"کیا اچھی بات ہے؟" دروازے پر موجود لوگوں میں سے ایک نے کہا۔

"یہ کہ پروا نہ کروں، اب مجھے پروا کرنے کی ضرورت ایک فی صد بھی نہیں رہی۔"

"آپ لوگ بھی کم عجیب نہیں ہیں۔ چھے چاقو بازوں میں ساتھی گھرا کھڑا ہے اور تم باتیں بنا رہے ہو، ہم تو کہتے ہیں، دُم دبا کر بھاگو۔"

"یہی تو مشکل ہے...... دُم کیسے دبائیں، ہے ہی نہیں۔" محمود مسکرایا۔

اسی وقت ان چھے نے ایک ساتھ انسپکٹر جمشید پر چھلانگ لگا دی۔ (جاری ہے)

اِدھر اُدھر سے

☆ نیا قلم کسی بھی شخص کے ہاتھ میں تھما دیں امکان غالب ہے کہ وہ پہلے اپنا نام لکھے گا۔

☆ نوزائیدہ بچوں کو رنگ نظر نہیں آتے، وہ کلر بلائینڈ ہوتے ہیں، ایک سال کی عمر میں انھیں رنگوں کی تمیز ہونے لگتی ہے۔

☆ پاکستان کو "خالص لوگوں کی سرزمین" کہا جاتا ہے۔

☆ ایرانی شہر شیراز کو "پھولوں اور بلبلوں کا شہر" کہتے ہیں۔

☆ UK کے شہر بریڈفورڈ کو "لٹل پاکستان" کہا جاتا ہے۔

☆ 1800ء تک دائیں اور بائیں جوتے کی شکل میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔

"نہیں چنومیاں! اُس طرف نہیں جاؤ، کھو جاؤ گے۔"

چنو اپنے امی ابو کے ساتھ ایک بڑے جنرل اسٹور سے اپنے لیے کچھ کھانے پینے کی چیزیں کترنے آیا تھا۔ انھوں نے جب اسے کھلونوں والے حصے کی طرف بڑھتا دیکھا تو دور سے چوں چوں کرتے ہوئے اسے خبردار کیا، مگر

وہ بچہ ہی کیا جو بات مان لے......!

اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ کھلونوں کے حیرت کدے میں وہ حسرت سے آنکھیں پٹپٹا رہا تھا۔ طرح طرح کے کھلونے، کسی میں رنگ برنگی روشنیاں، کہیں پٹریوں پر چھک چھک کرتی ریل گاڑی تو کہیں جگ مگ کرتے قمقموں والے لٹو۔

وہ دیدے پھاڑ پھاڑ کر انھیں دیکھ رہا تھا کہ اسے اچانک اپنے کانوں کے پھٹنے کا احساس ہوا۔

"چوہا......!"

اس کے عقب سے کان پھاڑ دینے والی آواز آئی تھی۔

ایک لمحے کے لیے تو جیسے چنو سن ہو گیا، پھر اگلے ہی لمحے وہ دوڑ کر سامنے پڑے ایک گلابی 'کچن سیٹ' میں گھس گیا۔

اُس نے اس پلاسٹک کے ننھے کچن کی کھڑکی سے باہر جھانکا۔

ایک خاتون ڈری سہمی کھڑی تھی۔ اس کے اردگرد اب اسٹور کے کئی ملازمین جمع ہو گئے تھے۔ کوئی اسے دلاسا دے رہا تھا تو کوئی زمین پر چوہے کے تعاقب میں نظریں دوڑا رہا تھا۔

یہ دیکھ کر اس کا حلق میں اٹکا ہوا سانس بحال ہوا کہ کسی نے اسے یہاں گھستے دیکھا نہیں تھا اور ظاہر ہے، ایک چوہے کی خاطر وہ سارا اسٹور تو الٹ پلٹ کرنے سے رہے، سو کچھ دیر چوہے کی کھوج جاری رہی پھر تھک ہار کر سب اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔

کچھ دیر کے بعد چنو محتاط انداز میں کھلونا کچن سے باہر نکلا ہی تھا کہ اسے پھر انسانی قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ دوبارہ الٹے قدموں اسی کچن میں گھس گیا۔

یہ ایک تین افراد کا چھوٹا سا گھرانا تھا۔ امی ابو اور ان کا ایک سات آٹھ سالہ بیٹا۔

ان کی باتوں سے اسے پتا چلا کہ آج اس بچے کی آمین کی خوشی میں گھر میں خاندان والوں کی دعوت ہے اور وہ انعام کے طور پر اسے کھلونے دلوانے لائے ہیں۔

بچے کا نام بلال تھا۔ بلال دھڑا دھڑ کھلونے اٹھا اٹھا کر ٹرالی میں بھر رہا تھا، جب ٹرالی بھر گئی تو وہ واپس پلٹے۔

اسی وقت بلال کی نظر اس چھوٹے گلابی رنگ کے جگمگاتے کچن سیٹ پر پڑ گئی، بس پھر کیا تھا وہ جھٹ سے بولا: "امی! مجھے یہ بھی چاہیے!"

ایک لمحے کے لیے چنو کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

"ارے بیٹا! یہ تو لڑکیوں کا کھلونا ہے، آپ تو لڑکے ہو، آپ کیا کرو گے؟"

امی نے پیار سے سمجھایا۔

چنو کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔

بلال کے امی ابو دونوں ہی اسے سمجھا رہے تھے، مگر وہ نہ مانا، اس نے اپنی دال نہ گلتی دیکھ کر وہیں لوٹ پوٹ ہونا شروع کر دیا، وہ تیز تیز آواز سے رونے پیٹنے لگا۔

اب سٹور میں موجود اور لوگ بھی اس کی طرف نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے تھے۔

چنو نے دل میں سوچا:

"وہ بچہ ہی کیا جو بات مان لے......!؟"

وہ بھی تو اپنی ضد منوانے کے لیے ایسے کیا کرتا تھا بلکہ ابھی بھی وہ امی ابو کی بات نہ ماننے کی وجہ سے یہاں پھنسا ہوا تھا۔

مرتے کیا نہ کرتے، آخر بلال کے والدین نے بددلی سے ملازم سے اسے پیک کرنے کو کہا اور کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئے۔

راوی نے شاید ہنگامہ ہی ہنگامہ لکھ دیا تھا۔ اب چنو کے فرار کے سارے رستے بند ہو چکے تھے، وہ جانتا تھا کہ وہ اپنے امی ابو سے بچھڑ رہا ہے۔ وہ چپ چاپ اس کھلونا کچن میں دبکا بیٹھا رہا۔ بل بنا تو اسے بھی باقی کھلونوں کے ساتھ اٹھا کر کار کی ڈگی میں ڈال دیا گیا تھا۔

تھوڑی دیر اسے گاڑی چلنے کے جھٹکے محسوس ہوتے رہے۔ کبھی گاڑی زور سے اچھلتی تو اس کا سر اوپر کچن کی چھت پر جا لگتا، کبھی بریک لگتی تو بے اختیار سامنے کی دیوار سے جا ٹکراتا۔ وہ ایسے ہی ننھے کچن کی دیواروں سے ٹکراتا ان کے گھر پہنچ گیا۔

گھر آتے ہی شانی نے سارے کھلونے اپنے کھلونے والے کمرے میں انڈیلے اور ایک ایک کر کے سب کو کھولنے لگا۔

اسے دیکھ کر امی ابو نے منع کرنے کی کوشش کی کہ ابھی مت کھولو، دعوت ہو جائے پھر سارے کھلونے کھول لینا مگر......

وہ بچہ ہی کیا جو بات مان لے......!

صحابہ اور تابعین کے ایمان افروز اور انوکھے واقعات جاننے کے لیے دو بہترین کتابیں

صحابہ کے واقعات
- 75 کامیاب ہستیوں کا خوبصورت تذکرہ
- واقعات سے حاصل شدہ قیمتی فوائد و نصائح پر مشتمل
- دین سے محبت اور عمل کا شوق ابھارنے میں معاون

تابعین کے واقعات
- 32 خوش نصیب ہستیوں کا ایمان افروز تذکرہ
- قیمتی فوائد و نصائح پر مشتمل
- اسکول و مدارس کے نصابی تقاضوں سے ہم آہنگ

آئیں! مل کر کتاب دوستی کو فروغ دیں اور اس پیغام کو عام کریں۔

مستند مجموعۂ وظائف
اب موبائل ایپلی کیشن میں بھی دستیاب ہے۔
GET IT ON Google Play

بیتُ العِلم
کراچی فون: 021-32726509 ، موبائل: 0309-2228089
لاہور فون: 042-37112356
Visit us: www.mbi.com.pk maktababaitulilm

چنو کو پتا تھا کہ اب اس کا بھانڈا پھوٹنے والا ہے۔ جیسے ہی شانی نے کچن سیٹ کا ڈبا کھولا، وہ پھدکتا ہوا باہر کی طرف لپکا مگر اگلے ہی لمحے وہ زور سے ایک اور کھلونے میں جا ٹکرایا۔

اتنے میں اسے بلال کی چیخ سنائی دی۔

''چچ چوہا....... چوہا.......!''

امی ابو دوڑتے ہوئے آئے۔ چنو کو سر سہلانے کا بھی وقت نہ ملا، وہ بس اندھا دھند دُم دبا کر کمرے کے باہر دوڑا اور صحن میں رکھی ایک بڑی سی الماری کے نیچے جا چھپا۔

گھر میں اب بھونچال آ چکا تھا۔ بلال زور زور سے رو رہا تھا اور اس کے امی ابو سارے گھر میں چوہے کو ڈھونڈنے کے لیے ہاتھوں میں جھاڑو اٹھائے گشت کر رہے تھے۔ اسی کھوج میں کافی اٹھا پٹخ ہوئی۔ صوفے الٹے گئے، فریج سرکایا گیا، پلنگ ہٹائے گئے، الماری کے نیچے بھی جھاڑو گھسا کر تسلی کرنے کی کوشش کی، مگر بے سود۔

چنو سانس روکے وہیں دبکا رہا۔

ابھی ان لوگوں کو چوہے سے فرصت نہیں ملی تھی کہ گھر کی گھنٹی بجی۔

گھنٹی نے گویا سب کے چہروں پر بارہ بجا دیے۔

مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی تھی اور گھر سارا الٹا پڑا تھا۔

اب امی ابو دوڑ دوڑ کر پھر سے سب کچھ سیدھا کرنے لگے۔ اسی اثنا میں دو تین بار اور گھنٹی بج چکی تھی۔ جیسے تیسے انھوں نے گھر کو درست کیا اور پھیکی مسکراہٹوں سے دروازہ کھولا۔

دروازے پر بلال کی خالہ اور ان کا گھرانا تھا۔

اگلے کچھ گھنٹوں میں گھر میں رونق ہو گئی تھی۔ بلال کے ماموں، پھوپی اور سارے رشتے دار اپنے بچوں کے ساتھ آ چکے تھے۔ ایک جشن کا سماں تھا۔ وہ سب ہنس رہے تھے، باتیں کر رہے تھے، بچے اِدھر اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے۔

اچانک ٹن ٹن کی آواز گونجی، جیسے کوئی چمچ سے شیشے کے گلاس کو بجا رہا ہو۔

یہ بلال کی امی تھیں، اور یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ کھانا تیار ہے۔

پہلے زنان خانے کی میز پر کھانا چنا گیا۔ سب خواتین اور بچے کھانا کھانے لگے۔ کھانے کے بعد امی فریج سے کیک نکال کر لائیں تو بچوں نے شور مچا دیا۔ بلال کی امی نے میٹھے میں بلال کی پسند کا بڑا سا چاکلیٹ کیک بنایا تھا۔

چنو الماری کے نیچے لیٹا ہوا مزے سے یہ سب کچھ دیکھتا رال ٹپکا رہا تھا کہ اچانک اسے اپنے پیچھے آہٹ محسوس ہوئی۔

اس نے پلٹ کے دیکھا تو ایک مکروہ صورت کا کروچ اپنی لمبی مونچھیں ہلاتا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اس کے یک دم رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ وہ دُم دبا کر باہر بھاگا، مگر اگلے ہی لمحے ایک زوردار دھماکا ہوا۔

وہ باہر زمین پر پڑے کسی بچے کے غبارے سے جا ٹکرایا تھا۔ بے خیالی میں اس کا ناخن لگنے سے غبارہ پھٹ گیا تھا۔

ہال میں یک دم سناٹا چھا گیا۔

چنو نے دیکھا سب اسی کو گھور رہے ہیں۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہاں بھگدڑ مچ گئی۔

بلال کی خالہ اور پھوپیاں چیخیں مارتی ہوئیں آسمان سر پر اٹھانے لگیں۔ دو خواتین تو جست لگا کر کھانے کی میز ہی پر جا چڑھیں۔

بچے بھی ڈر گئے تھے، وہ شور مچانے لگے۔

شور سن کر بلال کے ابو تیزی سے کمرے میں داخل ہوئے۔ چوہے کا واویلا سنتے ہی انھوں نے تیزی سے میز پر رکھا ہینگر اٹھالیا۔

اُدھر بے چارا چنو ہر طرف انسان ہی انسان دیکھ کر ڈر گیا۔ وہ بے ساختہ کھانے کی میز کی طرف بھاگا، جس پر اب بہت سی خواتین بھی جلوہ افروز تھیں۔

خواتین نے جب چوہے کو اپنی طرف آتا دیکھا تو ایک دوسرے میں ٹکرا کر گریں، کچھ کیک چاٹنے پر مجبور ہوئیں تو کچھ زمین چاٹنے پر۔

اسی بھگدڑ میں چنو کو موقع مل گیا اور وہ سیدھا اس کھلونے والے کمرے میں جا گھسا جو اَب خالی تھا۔

کمرے میں گھستے ہی اس نے سیدھا اپنی پرانی جائے پناہ یعنی کچن سیٹ میں جا کر پناہ لے لی۔ اب وہ زور زور سے ہانپ رہا تھا۔

اسے ابھی تک باہر سے چیخ پکار سنائی دے رہی تھی۔ اچھی بھلی دعوت کا کباڑہ ہو چکا تھا البتہ اسے بھاگ کر کچن سیٹ میں گھستے ہوئے بلال کے والد نے دیکھ لیا تھا، اسی لیے پہلی فرصت میں انھوں نے کچن سیٹ اٹھا کر اس کے ڈبے میں ڈال کر اسے بند کر دیا۔

کافی دیر کے شور شرابے کے بعد اب گھر میں خاموشی ہوگئی تھی، پھر اس نے بلال کی امی کی آواز سنی: ''دیکھا بلال! یہ سب تمھاری غلطی کی وجہ سے ہوا ہے۔ تم اگر امی ابو کی بات مان لیتے تو تمھیں کبھی یہ سزا نہ ملتی۔ دیکھا ناں کیسے چوہا آ گیا تمھارے اس کھلونے میں، جسے تم نے ضد کر کے لیا تھا اور پھر کیا ضرورت تھی تمھیں کھلونے دعوت سے پہلے کھولنے کی......!؟''

بلال چپ کر کے نظریں جھکائے کھڑا تھا۔

اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔

''سوری امی! میں اب کبھی ایسا نہیں کروں گا۔'' وہ روہانسا ہو کر بولا۔

چنو کو بھی احساس ہوا تھا کہ وہ بھی جس مشکل میں پھنسا ہے، اپنے والدین کا کہنا نہ ماننے کی وجہ ہی سے تو پھنسا ہے۔

''جو غلطی ہوجاتی ہے ناں، اسے سدھار لینے سے اللہ پاک معاف کر دیتے ہیں، ہم ابھی چل کر یہ کچن سیٹ واپس کر آتے ہیں۔''

ابو نے کہا تو بلال نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اور وہ چوہا......!؟''

''اس کو پھر ہم بعد میں دیکھیں گے، ہوسکتا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کا کہنا نہ ماننے پر تمھیں سزا دینے کے لیے بھیجا ہو اور اب تم اچھے بچے بن گئے ہو اس لیے وہ خود ہی چلا جائے یہاں سے۔'' امی نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر سے گاڑی میں بیٹھے اسٹور کی طرف بڑھ رہے تھے۔

چنو پھر سے کبھی چھت سے تو کبھی کچن کی سامنے والی دیوار سے ٹکرا رہا تھا۔

مگر اس بار اسے خوشی تھی کہ وہ واپس اپنے امی ابو سے مل سکے گا۔

وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ وہ سیدھا جا کر اپنے امی ابو سے سب سے پہلے معافی مانگے گا کیوں کہ اسے لگتا تھا کہ بلال نے ضد ہی اس لیے کی تھی تا کہ مجھے ماں باپ کا کہنا نہ ماننے پر سزا مل سکے۔

☆☆☆

(خصوصی طور پر بچوں کا اسلام کے نوعمر قارئین کے لیے سہل اور عام فہم انداز میں تلخیص کیا گیا!)

84

میرِ حجاز

اختر حسین عزمی

''غالباً آپ کے پاس جو کچھ ہے وہ ویسا ہی ہے جیسا میرے پاس ہے۔''

سُوید بن صامت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو سن کر کہا۔

وہ یثرب کے باشندے اور گہری سوجھ بوجھ کے حامل پختہ کار شاعر تھے۔ اعلیٰ شرف و نسب کے باعث ان کی قوم نے انھیں ''کامل'' کا خطاب دے رکھا تھا۔ یہ حج کے لیے مکہ آئے ہوئے تھے اور بعثتِ نبوی کے گیارھویں سال کے آغاز میں پیغمبرِ اسلام سے ان کی ملاقات ہوئی۔

سُوید کی بات سن کر حضور نے پوچھا: ''تمھارے پاس کیا ہے؟''

''حکمتِ لقمان'' سُوید نے جواب دیا۔

''سناؤ''۔ چنانچہ سُوید نے حکمتِ لقمان سے کچھ سنایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ کلام یقیناً اچھا ہے لیکن میرے پاس جو کچھ ہے وہ اس سے بھی اچھا ہے، وہ قرآن ہے جو اللہ نے مجھ پر نازل کیا ہے! وہ ہدایت ہے اور نور ہے۔''

اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں قرآن پڑھ کر سنایا۔

یہ سن کر سُوید نے کہا: ''یہ تو بہت ہی اچھا کلام ہے۔''

اس کے لہجے سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسلام اس کے دل میں گھر کر گیا ہو۔

پھر اُسے اپنی قوم میں یثرب پہنچے چند ہی روز گزرے تھے کہ بنوخزرج نے اُسے قتل کر دیا۔

☆☆☆

یثرب کے بنوخزرج کا وفد انس بن رافع کی سربراہی میں بنواوس کے خلاف قریش سے جنگی تعاون اور حلیفانہ تعلقات قائم کرنے کے لیے مکہ آیا ہوا تھا۔

نبوت کے گیارہویں سال کے آغاز میں بنوخزرج اور بنواوس کے درمیان عداوت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس وفد کی آمد کا علم ہوا تو آپ ان کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے درمیان بیٹھ کر ان سے کہا:

''آپ لوگ جس مقصد کے لیے آئے ہیں کیا اس سے بھی بہتر چیز قبول کر سکتے ہو؟''

”وہ کیا چیز ہے؟“ سب نے پوچھا۔

”میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ نے مجھے اپنے بندوں کے پاس اس بات کی دعوت دینے کے لیے بھیجا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اللہ نے مجھ پر کتاب بھی اتاری ہے۔“

پھر آپ نے قرآن کے کچھ حصے کی تلاوت فرمائی۔

”اے قوم!“ وفد کے سب سے کم عمر رکن ایاس بن معاذ نے کہا: ”خدا کی قسم! واقعی یہ چیز اس سے بہتر ہے جس کے لیے ہم یہاں آئے ہوئے ہیں۔“

ایاس کی بات سن کر وفد کے سربراہ انس بن رافع نے ایک مٹھی مٹی اٹھا کر اس کے منہ پر دے ماری اور کہا: ”نہیں! میری عمر کی قسم! یہاں ہم اس کی بجائے دوسرے ہی کام سے آئے ہیں۔“

وفد کے سربراہ کے سر پر اس وقت جنگ کا بھوت سوار تھا۔ وہ کوئی اور بات سننے کا روادار نہ تھا۔

اس کی ڈانٹ سن کر ایاس نے خاموشی اختیار کر لی اور رسول اللہ بھی اٹھ کر چل دیے۔

(یثرب پلٹنے کے تھوڑے عرصہ بعد حضرت ایاسؓ بن معاذ فوت ہو گئے۔
بوقتِ وفات ان کی زبان پر تکبیر و تہلیل اور تسبیح و حمد جاری تھی!)

☆☆☆

اوس و خزرج کی جنگوں کے غیر متناہی تسلسل نے دونوں قبیلوں کو مالی جانی لحاظ سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ کسی کی فتح ہو یا شکست، فریقین کے بہادر جوان جنگ کی بھٹی میں عرصے سے جل کر راکھ ہو رہے تھے۔ روزمرہ کی قتل و خونریزی سے اب وہ تنگ آ گئے تھے۔ آہستہ آہستہ دونوں طرف یہ رائے بنتی گئی کہ اس کشت و خون سے نجات پانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ دونوں قبیلے اپنے میں سے کسی ایک کو اپنا حاکم بنا لیں۔ جب بھی ہمارے درمیان کوئی نزاع پیدا ہو تو اس کو میدان جنگ میں حل کرنے کی بجائے اس حاکم کے سامنے پیش کریں۔ وہ جو فیصلہ کرے، دونوں فریق اسے قبول کر لیں۔ اس وقت دو آدمی ایسے تھے، جن سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ اس ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے نبھا سکیں گے۔ ایک عبداللہ بن اُبَی جو بنی خزرج سے تھا جب کہ دوسرا ابو عامر راہب، جس کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔

☆☆☆

ابو عامر کی نشست و برخاست اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کے ساتھ بکثرت رہتی تھی، وہ ان کے احبار اور ربیوں سے نبیِ موعود کی پیش گوئیاں اور صفات و کمالات سنتا۔ وہ خود بھی جہاں بیٹھتا، آنے والے نبی کا ذکرِ خیر کرتا۔ یثرب سے وہ تیاء کی بستی میں پہنچا۔ یہاں کے یہودی احبار سے نبیِ موعود کے بارے میں معلومات لیں اور وہاں سے شام میں عیسائی راہبوں کی خدمت میں پہنچا۔ انھوں نے نبیِ موعود کی آمد کے بارے میں بہت کچھ بتایا۔ طویل سیاحت کے بعد وہ ایک راہب بن کر یثرب واپس آیا۔ اب وہ راہبوں کی طرح ٹاٹ کا موٹا جھوٹا لباس پہننے لگا اور اس نے یہ دعویٰ بھی کیا:

انا علی دین الحنیفیہ! ”میں (ابراہیم) حنیف کے دین پر کاربند ہوں!“

اس کے شب و روز اس اشتیاق کے اظہار میں گزرنے لگے کہ جونہی اللہ کے نبی مبعوث ہوں گے، وہ ان کے حواریوں میں شامل ہو جائے گا۔ آہستہ آہستہ ابو عامر راہب لوگوں کی عقیدت کا مرکز بنتا گیا۔ اس کے عقیدت مندوں اور مریدوں کا حلقہ پھیلتا گیا اور وہ اس کی عقیدت میں اس کے ہر حکم کی اطاعت کرنے لگے۔ جب بعثت نبوی ہوئی اور اس کی اطلاع یثرب تک پہنچی تو ابو عامر مکہ نہ گیا۔

دوسرا شخص جسے اوس و خزرج کے لوگ اپنی قیادت کے لیے مناسب سمجھتے تھے وہ بنو خزرج کا ایک سردار عبداللہ بن اُبَی تھا۔ دراز قد، بارعب چہرہ، چرب زبان، چالاک، ہوشیار اور میدان سیاست کا شہسوار۔ ابو عامر کی راہبانہ طرزِ زندگی کے باعث اس کے اپنے قبیلہ اوس کے کئی لوگوں کا رجحان بھی عبداللہ بن اُبَی کی قیادت کی طرف تھا۔ بنو قریظہ کے یرغمال بچوں کے بارے میں عبداللہ بن ابی نے جو مہربانی کی تھی، اس کے باعث اوس کے یہودی حلیف بھی اس کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان دونوں قبائل کا حاکم کوئی ایسا آدمی بنے جو ان کے لیے خطرہ ثابت ہو۔ اس لیے انھوں نے بھی درپردہ اوس کو عبداللہ بن ابی کے سیادت کو ماننے پر تیار کر دیا۔ اب رہے خزرج کے لوگ تو وہ اپنے قبیلے کے ایک آدمی کی کیسے مخالفت کر سکتے تھے جب کہ مخالف قبیلہ بھی اس کی حاکمیت کو ماننے پر رضامند تھا۔ چنانچہ دونوں قبیلوں کے عمائدین نے اس کو اپنا حاکم مقرر کرنے کے عزم کا اظہار کر دیا۔ زرگر نے اس کے سر کا ماپ لیا تا کہ اس کے لیے سونے کا تاج تیار کرے۔

(جاری ہے)

آسان علمِ دین کورس | بسم اللہ | سبق نمبر ۳

محمد اسامہ سرسری

عبادت

آیتِ کریمہ:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (۴)

مفہوم: اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

(سورۂ فاتحہ، آیت نمبر ۴)

حدیثِ مبارکہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے:

الْعِبَادَةُ فِي الْهَرْجِ كَهِجْرَةٍ إِلَيَّ۔

مفہوم: فتنہ و فساد کے زمانے میں عبادت کرنا میری طرف ہجرت کرنے کے برابر ہے۔ (صحیح مسلم)

مسنون دعا:

اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔

فضیلت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہر نماز کے اختتام پر دعا پڑھنے کی وصیت فرمائی تھی۔ (مسند احمد)

فقہی مسئلہ:

جن عبادات کا وقت مقرر ہے جیسے نماز اور روزہ، انھیں وقت پر کرنے کو ”ادا“ کہتے ہیں اور وقت کے بعد کرنے کو ”قضا“ کہتے ہیں، جبکہ وہ عبادات جن کا کوئی وقت مقرر نہیں جیسے وضو، غسل، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، گناہوں سے توبہ، حقوق کی ادائیگی تو انھیں جب بھی کریں، یہ ”ادا“ ہی کہلاتے ہیں۔ (الموسوع الفقہی)

☆☆☆

مفتی آصف محمود قاسمی

وقت کے قدرداں

بلا امتیاز مذہب اور بلاتفریق نیک و بد، جس کسی نے بھی وقت کی اہمیت کو جانا، اس کی قیمت کو پہچانا اور دل و جان سے اس کی قدر کی تو کامیابیوں نے اس کے قدم چومے، کامرانیوں نے اس پر گل افشانی کی۔ وہ شخص آسمانِ عزت و شہرت پر مثل آفتاب و مہتاب چمکا۔

اس مضمون میں وقت کے قدرشناسوں کی طویل و عریض فہرست گردانا مقصود نہیں، اور نہ ہی کسی قدیم شخصیت کا تذکرہ کرنا ہے بلکہ ایسی شخصیت کے تذکرے سے دل کو شاد کام کرنا ہے، جس کی مدھ رسی شیریں آواز آج بھی کانوں میں رس گھول رہی ہے۔

جی ہاں! آپ درست پہچان رہے ہیں، آج کی محفل کے ہمارے ممدوح جناب حاجی اشتیاق احمد صاحب مرحوم و مغفور ہیں۔

کچھ آنکھوں دیکھے اور کانوں سنے واقعات قارئین کے سپرد کرکے بارِ امانت سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں کہ کہیں میرے ساتھ یہ گراں مایہ باتیں بھی نہ دفن ہو جائیں!

بچوں کا اسلام میں بعض قارئین کے خطوط اور ان کے جوابات پڑھ کر دیگر قارئین کی طرح میں نے بھی آپ کے سراپے اور اخلاق و مزاج کا خاکہ تصورات میں بنایا ہوا تھا کہ آپ لمبے تڑنگے، لحیم و جسیم وجود کے مالک اور تندوتیز، خشک مزاج والے ہوں گے۔ رجب ۱۴۲۶ھ بمطابق اگست ۲۰۰۵ء میں پہلی ملاقات پر جب آپ کے منحنی وجود اور مسکین و دلکش صورت کو دیکھا تو سراپے والا خاکہ کرچی کرچی ہوگیا، البتہ مزاج کے حوالے سے بنایا ہوا خاکہ ۲۰۰۸ء تک قائم رہا، پھر جب رسمی تعلق غیر رسمی تعلق میں بدل گیا اور گیلری کی بدولت آپ کے کفش برداروں میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہوئی تو آپ کی باغ و بہار، مرنجا مرنج طبیعت دیکھ کر خشک مزاجی والا تخیل بھی چکنا چور ہوگیا۔

اس پراگندہ خیال پر بڑی خفت ہوئی۔ اس خفت کو ختم کرنے کے لیے بے تکلفی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک دن بغیر کسی لگی لپٹی کے دل کی بات آپ کے سامنے رکھ دی کہ قارئین کے خطوط سے یہ تاثر ملتا ہے کہ آپ خشک، سخت مزاج اور بے مروت ہیں، لیکن مشاہدہ اس کے برعکس ہے، یہ کیا ماجرا ہے......؟

میری بات سن کر اوّل تو خوب ہنسے پھر فرمانے لگے:

’’دونوں باتیں ہی درست ہیں۔ نہ تو قارئین کے خطوط میں مذکور خشک مزاجی والی بات غلط ہے اور نہ ہی آپ کے مشاہدے میں آنے والی خوش مزاجی غلط ہے۔‘‘

میں نے عرض کیا۔ ایک بندے میں دو متضاد مزاجوں کا ہونا سمجھ سے بالا بات ہے۔

میری ہونقوں ایسی حالت دیکھ کر بس مسکراتے ہی جا رہے تھے، پھر وضاحت فرمائی کہ میرا اصل فطری مزاج یہی ہے جس کا آپ مشاہدہ کر رہے ہیں، میری یہ خوش مزاجی اپنے اہل و عیال، اعزہ و اقارب، دوست و احباب سب کے لیے ہے۔ میں نے تو کبھی اپنے بچوں کے ساتھ پدرانہ دبدبے کا استعمال نہیں کیا لیکن بات یہ ہے کہ میرے لیے سب سے قیمتی چیز وقت ہے، بس جو شخص میرے وقت کے ضیاع کا باعث بن جائے خواہ وہ کوئی ہو، عزیز رشتہ دار ہو یا قریبی تعلق دار، اس کے لیے میری خوش مزاجی، خشک مزاجی میں بدل جاتی ہے۔

اب جو دوست مجھے خشک مزاج یا بے مروت لکھتے یا سمجھتے ہیں، یقیناً انھوں نے میرا وقت ضائع کیا ہوگا، جس کی وجہ سے میں ان سے سرد مہری سے ملا ہوں گا لیکن جو میرا وقت ضائع نہیں کرتے ان کے ساتھ میرا مزاج خوشگوار رہتا ہے۔

اس وضاحت نے جہاں میرے تذبذب کو ختم کیا، وہیں مجھے چوکنا اور ہوشیار بھی کر دیا۔ مزید محتاط رہنے کے لیے میں نے پوچھا کہ کون سی چیزیں عام طور پر آپ کے وقت کے ضیاع کا باعث ہوتی ہیں......؟

فرمایا، ایک تو فون پر غیر ضروری طویل گفتگو اور دوسرا بغیر کسی پیشگی اطلاع کے ملاقاتیوں کا آ دھمکنا۔

مزید فرمانے لگے، مجھے بتلاؤ کہ جس شخص کی مصروفیات کا یہ عالم ہو کہ وہ صبح سحری کے وقت سے لکھنا شروع کرے اور یہ سلسلہ رات سونے تک جاری رہے۔ بیچ میں صرف نماز، کھانے اور حوائج ضروریہ کا وقفہ کرتا ہو، آرام بھی کام والی جگہ پر کرتا ہو تو آپ ایسے شخص کو فون کرکے خواہ مخواہ کی باتیں کرنے لگ جائیں یا بغیر کسی طے شدہ پروگرام کے ملنے آ جائیں تو وہ کیسے خوشگوار موڈ سے بات کر سکتا ہے؟

بات بڑی واضح اور عام فہم تھی۔ میری الجھن کی سب گتھیاں سلجھ گئی تھیں، پھر آپ نے ایک واقعہ سنایا، فرمانے لگے:

’’ابھی گزشتہ گرمیوں کی بات ہے کہ ظہر کے بعد جبکہ گرمی بھی اپنے زوروں پر تھی، دروازے پر دستک ہوئی۔ میں باہر نکلا دیکھا کہ دو جوان کھڑے ہیں۔ بعد سلام میں نے آمد کا مقصد پوچھا تو کہنے لگے: ’فلاں شہر سے آپ کو ملنے آئے ہیں‘۔

چونکہ اس شہر کی اور جھنگ کی درمیانی مسافت چار سے پانچ گھنٹے ہے، اس لیے میں سخت پریشان ہوگیا کہ یہ صرف ملاقات کے لیے اتنا لمبا سفر وہ بھی شدید گرمی میں کرکے آئے ہیں، لیکن آنے سے قبل اطلاع نہیں دی۔

اب ان کے ساتھ کیا کروں......؟ اول تو دل میں آیا کہ دروازے سے واپس کردوں کہ ملاقات ہوگئی ہے آپ جاسکتے ہیں تاکہ انھیں ذرا نصیحت ہو جائے۔

جو کچھ بھی ہے، اچھی ہے!

اثر جونپوری

تم کہتے ہو کچی ہے
میں کہتا ہوں پکی ہے
لیکن یہ بات سچی ہے
مچھلی ہے یا مچھی ہے
جو کچھ بھی ہے اچھی ہے

نمکین ہے یا خوشتر ہے
ذائقہ اُس کا بہتر ہے
روہو ہے یا دھوتر ہے
مچھلی ہے یا مچھی ہے
جو کچھ بھی ہے اچھی ہے

اک پلّے میں ہے پلّا
دوسرے میں رکھا سوّا
پامپلیٹ کی بات ہے کیا
مچھلی ہے یا مچھی ہے
جو کچھ بھی ہے اچھی ہے

سردی میں جب چھائے دھند
اور چلتی ہو ہوائے تُند
ایسے میں بس کھائے گُند
مچھلی ہے یا مچھی ہے
جو کچھ بھی ہے اچھی ہے

ہاں یہ بات ہے سب کو پتا
اہل طب نے بھی یہ کہا
مچھلی ہے بھرپور غذا
مچھلی ہے یا مچھی ہے
جو کچھ بھی ہے اچھی ہے

لیکن پھر طوعاً کرہاً انھیں اپنے کمرے میں لے آیا۔ حسبِ توفیق ٹھنڈا مشروب پلایا۔ اب وہ بھی خاموش اور میں بھی۔ چند منٹ اسی کیفیت میں گزرے تو انھوں نے اجازت چاہی۔ اب میں نے ان کو ازراہِ نصیحت کہہ ہی دیا کہ جب میری آپ سب سے ہر ہفتے بچوں کا اسلام کے ذریعے ملاقات ہوجاتی ہے تو پھر آپ کو اس موسم میں تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی......؟ اور اگر آنا ہی تھا تو کم از کم پیشگی اطلاع تو دی ہوتی، اب آپ ہی بتائیں کہ میں اپنا کام چھوڑ کر آپ کو وقت کیسے دوں......؟ اور بلا انتظام آپ کی ضیافت کیسے کروں......؟

ظاہر بات ہے، اُن کے پاس سوائے معذرت کے کیا جواب تھا۔‘‘

نم ناک آنکھوں سے واقعہ سنانے کے بعد کہنے لگے: ’’مولوی صاحب! اس واقعے نے مجھے صرف اس دن ہی نہیں بلکہ بہت دن پریشان رکھا کہ وہ کتنی محبت سے آئے ہوں گے اور کیا تاثر لے کر گئے ہوں گے......؟ لیکن یہ بتائیں اس میں قصوروار کون ہے، وہ یا میں؟‘‘

آپ کے سال میں ایک دو چکر لاہور اپنی بڑی بیٹی کے پاس ضرور لگتے تھے۔ آپ کی آمد و رفت ڈائیوو بس کے ذریعے ہوتی تھی، جس کا خرچ عام بسوں کی نسبت دوگنا تھا۔ میں نے پوچھا، آپ عام گاڑیاں چھوڑ کر ڈائیوو کا مہنگا سفر کیوں کرتے ہیں......؟ فرمانے لگے...... ہاں! اس کا سفر مہنگا تو ہے، لیکن مجھے اس میں سہولت یہ ہے کہ میں دورانِ سفر بھی کام کرلیتا ہوں، جو کہ عام گاڑی کے سفر میں ممکن نہیں...... اور آپ جانتے ہیں میرے لیے وقت پیسوں سے زیادہ قیمتی ہے۔

آپ کی لاہور آمد کا مقصد خالص تفریح ہوتا، لیکن اس تفریحی سفر میں بھی کام آپ کے ہمراہ ہوتا، جیسے ہی فرصت ملتی اشہبِ قلم میدان قرطاس میں دوڑنے لگ جاتا۔

ایک روز مغرب کے بعد آپ کا فون موصول ہوا، کہنے لگے، انجینئر صاحب کے عطر مرکز آجاؤ۔

مجھے یہ بات سن کر دھچکا لگا، کیونکہ قبل ازیں یہ فون موصول ہوا کرتا تھا کہ میں کل فلاں وقت لاہور پہنچ رہا ہوں، اڈے پر آجانا، اور آج یہ فون موصول ہو رہا ہے کہ عطر مرکز آجاؤ۔

خیر عطر مرکز پہنچ گیا۔

تبادلہ ہدیہ مسنونہ کے بعد پوچھا کہ کب تشریف لائے؟

جواب ملا، کل صبح۔

میرے چہرے کی گھڑی پر بجے بارہ دیکھ کر آپ کو اندازہ ہوگیا تھا کہ موڈ خراب ہے۔

آپ نے میرے کان میں کہا: ’’گھر چل کر سارا قصہ سناتا ہوں۔‘‘

چنانچہ گھر پہنچنے کے بعد گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا، فرمانے لگے:

’’آپ فلاں صاحب کو تو جانتے ہیں؟‘‘

میں نے کہا: ’’جی ہاں! اچھی طرح جانتا ہوں۔‘‘

فرمانے لگے: ’’وہ بچپن سے میرے ناولوں کے قاری ہونے کی وجہ سے مجھ سے یک گونا عقیدت رکھتے ہیں۔ اس لیے ایک عرصے سے ان کا اصرار تھا کہ جب لاہور آؤں تو ان کو بھی خدمت کا موقع دوں، مگر چونکہ میں جانتا تھا کہ وہ متمول گھرانے سے تعلق رکھنے کے علاوہ ایک بزرگ کے مجاز بیعت ہونے کی وجہ سے

ایمرجنسی
اپیل برائے فلسطین
پاک ایڈ ویلفیئر ٹرسٹ اسلام آباد
BEŞİR DERNEĞİ
SENED İnsani Yardım Derneği
بین الاقوامی رفاہی اداروں کے اشتراک کے ساتھ
مظلوم فلسطینی مسلمانوں تک آپ کا تعاون پہنچانے کے لیے کوشاں

مظلوم فلسطینی بھائیوں کے لیے پاک ایڈ کو عطیات دیجیے
A/C Title : PAK AID WELFARE TRUST FAYSAL BANK
Account No : 3048301900220720
IBAN : PK28 FAYS 3048 3019 0022 0720
پاک ایڈ ویلفیئر ٹرسٹ اسلام آباد
ہیڈ آفس : آفس نمبر 4 سیکنڈ فلور، MB سٹی مال پلازہ 8-I مرکز اسلام آباد 0300 050 9840
اسلام آباد آفس : چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری، E.D.C بلڈنگ تیسری منزل موو ایریا، سیکٹر G-8/1 0310 533 2640
کراچی آفس : شاپ نمبر 4، پلاٹ نمبر سی 6، سٹریٹ نمبر 10، بدر کمرشل فیز 5 ایکسٹینشن، ڈیفنس کراچی 0300 050 9833
کراچی آفس : شاہ ہیون 45/1 میزانائن فلور، مین چورنگی محمد علی سوسائٹی کراچی 0300 050 9836
لاہور آفس : UG-64 ایڈن ٹاور، مین بلیووارڈ، گلبرگ، لاہور 0300 050 9838
پشاور آفس : آفس نمبر 1091، بالمقابل جی پی او مرکزی صدر روڈ پشاور کینٹ 0310 533 2634
راولپنڈی آفس : شاپ نمبر AA 740,741 ہملٹن روڈ، راجہ بازار، راولپنڈی 0310 533 2633
ٹول فری نمبر : 0800 72980

اپنا ایک حلقہ احباب رکھتے ہیں، اس لیے خدمت گزاری اُن کے بس کی بات نہیں ہے۔ طرفین کے وقت کا ضیاع بھی ہوگا اور تعلقات بھی خوشگوار نہ رہیں گے، لہٰذا عافیت اسی میں ہے کہ گاہے بگاہے معمولی ملاقات ہوتی رہے، یہ سوچ کر میں ان کو اچھے انداز میں ٹالتا رہا، لیکن اُن کی طرف سے دن بدن اصرار بڑھتا جا رہا تھا، اس قدر کہ وہ اصرار میرے لیے باعث تکلیف بن گیا۔

اس تکلیف سے چھٹکارا پانے کے لیے میں نے فیصلہ کیا کہ ایک بار ان کو خدمت کا موقع دے دینا چاہیے تا کہ ان پر واضح ہو جائے کہ ان کا اصرار بے جا تھا۔

چنانچہ اب کی بار میں نے آپ کی بجائے ان کو اطلاع دے دی۔ پوری تفصیل سے لاہور آمد کا وقت اور اس کے بعد کی مصروفیات سے ان کو آگاہ کر دیا۔ اس پر وہ بہت خوش ہوئے۔ اگلے روز بروقت بس اڈے پر پہنچنے اور سارا دن ہمراہ رہنے کی یقین دہانی کے بعد میں بے فکر ہو گیا، لیکن لاہور پہنچنے کے بعد قدم بقدم وہی ہوا جس کا مجھے صرف گمان ہی نہیں بلکہ یقین تھا۔ اوّل تو مجھے بس اڈے پر ایک گھنٹہ انتظار کرنا پڑا۔ تاخیر کی عذر خواہی کے بعد انھوں نے صرف دس منٹ اپنے ایک ضروری کام کے لیے بڑی منت کے ساتھ مانگے، جو دو گھنٹوں پر محیط ہو گئے۔

مجموعی طور پر تین گھنٹے کی تاخیر نے میرے سارے پروگرام خراب کر دیے، کیونکہ وہ پروگرام تعلیمی اداروں میں تھے، اور آپ جانتے ہیں کہ تعلیمی اداروں کے پروگرام ایک محدود اور طے شدہ وقت کے مطابق ہوتے ہیں۔ جلسہ عام کی طرح ان میں تاخیر کی بالکل گنجائش نہیں ہوتی۔ ان اداروں میں میری حاضری تو ہوئی لیکن تب جب پروگرام ختم ہو چکے تھے۔ مجھے اُن صاحب سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی، اُن پر حقیقت آشکارا ہو چکی تھی کہ وہ ایک ایسے کام کی ایک مدت سے ضد کر رہے تھے جو ان کے بس کی بات نہیں تھی۔''

یہ قصہ سنانے کے بعد کہنے لگے: ''اُن کے وقت کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے میرے پروگرام تو خراب ہوئے لیکن میں نے ان کے روز روز کے اصرار کی اذیت سے نجات پالی۔ اب میں اپنے تجربے کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ وہ شرمندگی کے باعث معمول کے مطابق گاہے بگاہے رابطہ بھی نہیں رکھیں گے۔'' (چنانچہ ایسا ہی ہوا)

ایک دن ہم برگِ آوارہ کی طرح لاہور کی سڑکوں پر اڑتے پھر رہے تھے کہ آپ کے موبائل پر کال آنا شروع ہو گئی۔

آپ نے موبائل میرے سامنے کرتے ہوئے کہا: ''دیکھو کیا لکھا ہے......؟''

میں نے کہا: ''نمبر ۹ لکھا ہے۔''

فرمانے لگے: ''یہ No نمبر والا نہیں، یہ No نہیں والا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ فون نہیں سننا۔''

میں نے حیرت سے پوچھا کیوں، یہ کون ہے جس کا فون نہیں سننا؟

کہنے لگے: ''یہ تو اب معلوم نہیں یہ کون ہے لیکن فون اس لیے نہیں سننا کہ یہ نمبر ان اشتہاری نمبروں میں سے ہے جنھوں نے میرا وقت ضائع کیا۔''

برسبیلِ تذکرہ میری اپنی آپ بیتی بھی سن لیجیے:

''ایک بار مجھے اپنے ذاتی کام سے جھنگ جانا ہوا۔ میں نے خود ہی یہ پروگرام بنا لیا کہ کام سے فارغ ہو کر آپ کے پاس چلا جاؤں گا۔ رات گزار کر علی الصباح لاہور واپس آ جاؤں گا، لیکن اس پروگرام کی اطلاع آپ کو نہیں دی۔''

شاید ایسی جسارت آپ کے حاشیہ نشین اور کفش بردار ہونے کے گھمنڈ میں ہوئی۔

حسنِ اتفاق کہ گرمیوں کے دن تھے، مجھے اپنے کام سے فارغ ہوتے ہوتے شام ہو گئی۔ سارے دن کا تھکا ماندہ مغرب سے کچھ قبل آپ کے دولت کدہ پر پہنچا۔

مجھے اچانک دیکھ کر آپ کو شدید ناگواری ہوئی۔ بادلِ نخواستہ مجھے اپنے کمرے میں بٹھایا اور اپنے کاموں میں یوں مشغول رہے جیسے کوئی آیا ہی نہیں۔

یہ اندازِ بے رخی دیکھ کر میرے چھکے چھوٹ گئے۔ مارے خجالت کے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ بلا مبالغہ مجھے یوں لگا کہ زمین اپنی تمام تر کشادگیوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی ہے۔ بات کرنا تو بہت دور مجھ سے سانس لینا بھی دشوار ہو گیا۔

عقل ٹھکانے آ چکی تھی۔ مزید رکنا طرفین کی اذیت کے سوا کچھ نہ تھا، لہٰذا عافیت اسی میں نظر آئی کہ فوراً سے پہلے اپنی راہ ناپوں۔

چنانچہ میں نے اجازت چاہی اور آپ نے بھی یوں اجازت دی جیسے مجھے جھنگ سے لاہور نہیں بلکہ ایک محلے سے دوسرے محلے جانا ہو۔

چند دن تو اس وقوعے کا اثر دل و دماغ پر رہا، پھر رفتہ رفتہ طبیعت بحال ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کا صد شکر کہ اس وقوعے نے ہمارے مابین تعلقات پر معمولی سا بھی اثر نہیں ڈالا۔ اس وقوعے سے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ بڑے لوگوں کے بڑا بننے کا راز ہی یہی ہے کہ وہ اپنے اصولوں پر سمجھوتا نہیں کرتے۔

اللہ رب العزت اُن کی لحد کو جنت الفردوس کی ہواؤں سے معمور کر دے، آمین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

☆ آپ نے 'ایک تصوراتی سفر کی روداد' کو کیوں سمیٹا؟ بڑا مزہ آ رہا تھا۔ 'سب سے پیاری چیز' نے ''لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ'' کا درس دیا۔ 'سخی گھرانے' کی تو مثال نہیں۔ 'ایک کہانی بڑی نرالی' کا اختتام واقعی بڑا ہی نرالا تھا۔ 'ان پڑھ طلبہ' نے آج کل کے سرکاری تعلیمی نظام کے متعلق تشویش میں مبتلا کیا۔ ۱۰۹۷ میں 'مختصر پر اثر' خوب تھے۔ ویسے آخری شذرہ 'تین چیزیں' تو ہم نے بھی ارسال کیا تھا، شاید بنت ملک اشرف کو ہم پر سبقت ملی ہو۔ (ع۔ز۔ام رمیصاء۔ پشاور)

ج: شاید، لیکن خیر ہے، اسے آپ اپنا ہی سمجھیے۔

☆ میرا 'بچوں کا اسلام' میں پہلا خط ہے۔ ۱۰۹۸ شمارے کی 'دستک' پڑھ کر مزا ہی آ گیا اور کیوں نہ آتا آپ نے اشتیاق احمد صاحب کا نیا جاسوسی ناول لگانے کی بات کی تھی، مگر انکل! میری آپ سے درخواست تھی کہ آپ 'اونٹ رے اونٹ' کی جگہ 'جعلی خط' لگا دیں تو آپ کی نوازش ہوگی۔ (محمد معاویہ باڑی۔ کراچی)

ج: اب تو ناول شروع ہو گیا۔ ویسے آپ کا مجوزہ ناول لگاتے تو کوئی اور بھتیجا فرمائش کر دیتا کہ اونٹ رے اونٹ لگائیں، تب ہم کیا کرتے؟

☆ شمارہ ۱۱۰۱ ربیع الاول کی مناسبت سے سجا دھجا نہایت عقیدت و احترام سے ہاتھوں میں لیا۔ دستک بہت خوب تھی۔ ام ساریہ اور ماہ نور الیاس کی مختصر تحریریں سبق آموز تھیں۔ کاوش صدیقی کی کہانی تو کمال کی تھی۔ ڈاکٹر سارہ الیاس اتنے دنوں بعد اچھی تحریر کے ساتھ آئیں اور چھا گئیں۔ 'رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کی کچھ جھلکیاں' معلوماتی تھیں۔ بھائی کہتے ہیں کہ تمھارا خط مدیر صاحب نہیں لگائیں گے۔ (سدیمہ بنت امیر بخش۔ لیاری، کراچی)

ج: آپ کے بھائی بس آپ کو تنگ کر رہے ہوں گے ورنہ ایسی بات نہیں ہے۔

☆ مدیر چاچو! یہ میرا 'بچوں کا اسلام' میں پہلا خط ہے اور لکھنے کی وجہ میرا دوست عبدالرحمٰن ٹنڈو آدم ہے کیونکہ اس نے مجھے 'بچوں کا اسلام' پڑھنے کے لیے دیا۔ شمارہ ۱۰۹۸ میں قرآن وحدیث اور آپ کی 'دستک' سے بہت فائدہ اٹھایا۔ اس کے بعد 'ذکر ایک رات کا' عشرت جہاں کی پڑھی۔ اسے پڑھ کر بہت زیادہ ہنسی آئی۔ 'تمھیں اب وقت ہی سکھائے گا' رفعت سعدی کی تحریر نے دل غمگین کر دیا۔ 'بوسہ جدائی' دل پر بوسہ دے گئی۔ (حافظ محمد یمان۔ شمس آباد، اٹک)

ج: اٹک کی ٹنڈو آدم سے بھلا کیسے دوستی ہوگئی؟

☆ شمارہ ۱۰۹۹ بہت اچھا لگا لیکن اس میں اپنا خط نہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا۔ چچا جی! میری عمر دس سال ہے۔ میں ہفتم جماعت میں پڑھتی ہوں۔ پڑھائی سے وقت نکال کر آپ کو خط بھیجتے ہیں لیکن آپ میرا ایک خط بھی شائع نہیں کرتے۔ 'کالے کمبل کی کہانی' بہت اچھی لگی۔ 'خزانے کی چابی' کہانی نے بہت ہنسایا جبکہ 'اعتراف' کہانی پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مدیر چچا اس خط کو ضرور شائع کرنا۔ (اخت لقمان۔ بھکر)

ج: آپ کا شاید یہ پہلا ہی خط ملا ہے۔ بہر حال لکھتے رہیے گا۔

☆ میں نے بچوں کا اسلام ۲۰۱۸ء سے پڑھنا شروع کیا، اس کے بعد سے مسلسل پڑھ رہی ہوں۔ آج کل 'میر حجاز' پورے شمارے پر چھایا ہوتا ہے۔ آپ کو بتاؤں کہ میں نے 'قصہ ایک حج کا' میں بتایا گیا وظیفہ پڑھا اور الحمدللہ حرمین کا سفر اسی سال کر بھی لیا اور وہاں پر بھی بچوں کا اسلام کی ترقی کے لیے خوب دعائیں کیں۔ (حفصہ صفدر، اقصیٰ صفدر۔ کوٹ اسلام)

ج: ماشاءاللہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بار بار اس مبارک سفر پر لے جائے، آمین!

☆ تقریباً تین ساڑھے تین سال کے تعطل اور وقفے کے بعد ایک بار پھر حاضر خدمت ہوں۔ اپنی علمی بنیادوں کے شہر کبیر والا سے اپنے خوابوں کے شہر کراچی میں آنے کے بعد یہ عزم کیا تھا کہ اس تعطل کا ازالہ کروں گا اور پھر سے وقت نکال کر مستقل طور پر 'بچوں کا اسلام' پڑھنے اور اس میں وقتاً فوقتاً لکھتے رہنے کی کوشش کروں گا۔ اس عزم کی تکمیل کے لیے جب اپنے اندر جھانکا، اپنے ذوق کو ٹٹولا تو معلوم ہوا کہ بے چارے ذوق صاحب تو کب کے دلی میں مر چکے! بہر کیف! اپنے ذوقِ خوابیدہ کو بیدار کر کے اور ہمت کو مجتمع کر کے جلدی میں ایک خط اور تحریر ارسال کر رہا ہوں۔ ان شاء اللہ اس سلسلے کو مستقل طور پر باقی رکھنے کی کوشش کروں گا۔ ایک مدت سے آپ کی زیارت کا اشتیاق ہے، فرصت ملی تو ترتیب بناؤں گا۔ کراچی میں نو وارد ہوں اور فنِ تحریر نویسی میں نو آموز، اللہ کرے دونوں سے مناسبت ہو جائے۔ رسالے پر تبصرہ پھر کبھی کروں گا ان شاء اللہ! (محمد رجب علی۔ دارالعلوم، کراچی)

ج: ضرور تشریف لائیے۔ ویسے آپ تحریر نویسی میں نو آموز لگتے تو نہیں ہیں۔ بہت اچھا لکھتے ہیں ماشاءاللہ، اب لکھتے رہیے گا۔

☆ یہ میرا بچوں کا اسلام میں چوتھا خط ہے۔ پہلے تین خط ردی کی ٹوکری کی زینت بنے مگر میں نے کاوش صدیقی کے قول 'ہمت نہ ہارنا' کے مصداق کے مطابق ہمت نہیں ہاری اور چوتھا خط بھی لکھ ڈالا۔ (محمد جواد۔ چنیوٹ)

ج: ارے بھائی! خط ہم کبھی ردی کی ٹوکری میں نہیں ڈالتے۔ یہ بات اچھی ہے کہ آپ ہمت نہیں ہارتے۔

☆ مدیر چاچو! امید کرتا ہوں خیریت سے ہوں گے۔ چچا جان! میرا پہلا خط تو شائع ہو گیا تھا لیکن دوسرا شاید ردی کی ٹوکری کی نذر ہو گیا۔ چچا جان! آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ خط کے ساتھ جو تحریر ہے کیا وہ قابل اشاعت ہے یا نہیں؟ براہِ کرم خط کو شائع کر کے ضرور جواب دیں۔ (قاسم شہاب سید۔ کراچی)

ج: خط کے ساتھ جو تحریر تھی، وہ شاید خط سے بچھڑ گئی۔ اب اعلانِ گمشدگی لگانا پڑے گا۔

☆ میرا نام حوریہ سنابل ہے میں ۶ سال کی ہوں، مجھے بھی خط لکھنے کا شوق ہے اور کہانی بھی سنتی ہوں۔ میرا تیسرا پارہ ہے۔ (حوریہ سنابل۔ ملھوالی، اٹک)

ج: اللہ میاں ہماری حوریہ سنابل کو جیتا رکھے، سلامت رکھے، اپنے امی ابو کی آنکھوں کا تارہ بنائے رکھے، آمین!

☆ 'بچوں کا اسلام' میرے محبوب رسالوں میں سے ہے۔ آپ کی تحریروں سے بہت متاثر ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حاسدوں کے حسد اور شریروں کے شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ میری بہنیں اور بھابیاں دونوں رسالے بہت شوق سے پڑھتی ہیں۔ آپ کا سفرنامہ 'کہانی ایک سفر کی' پڑھ کر بہت لطف اندوز ہوا، دوبارہ پڑھنے کو جی چاہ رہا ہے۔ دوسرا سفرنامہ کب لکھیں گے؟ (حقیقی، تصوراتی نہیں) اب تک تین اور سفرنامے 'جہان دیدہ، سفر در سفر، دنیا میرے آگے' کا مطالعہ کر چکا ہوں۔ تمام لکھاری بہت اچھا لکھتے ہیں۔ اللہ میاں ان کو مزید ترقی دیں مگر آپ، جناب حافظ عبدالرزاق، محترم پروفیسر محمد اسلم بیگ، محترمہ ساجدہ غلام، فوزیہ خلیل اور عامرہ احسان کی تحریروں کی بات ہی کچھ اور ہے۔ مدیر چاچو! آج کل میں کچھ پریشان سا ہوں۔ پڑھائی میں جی نہیں لگ رہا۔ دراصل میری والدہ محترمہ کو پچھلے دو ہفتوں سے 'لقوہ' کا مرض لگ گیا ہے جس سے امی جان تکلیف میں ہیں، اس لیے آپ اور تمام قارئین سے میری امی جان کی صحت یابی کے لیے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔ (عظمت اللہ محمد بن عبدالرزاق خان۔ دارالعلوم، کراچی)

ج: پریشان مت ہوں، ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت والدہ محترمہ کو جلد از جلد بعافیت شفا کامل عطا فرمائیں، آمین!

☆ شمارہ ۱۰۹۹ کی دستک اصلاحی تھی۔ 'خزانے کی چابی' اور 'صرف ایک منٹ میں' دونوں ہی قیمتی تحریریں تھیں۔ 'اعتراف' ایک حقیقت کا اعتراف کرتی نظر آ رہی تھی۔ 'کالے کمبل کی کہانی' میں بڑا خوب صورت انداز اور سبق تھا۔ 'اللہ جی کے پاس گئی ہیں' نظم بہت اچھی لگی۔ 'موتی چور کے لڈو' مزے دار کہانی تھی۔ آمنے سامنے میں اپنا پہلا ہی خط دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ 'اچھی خبریں' کو دوبارہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ تحریر 'تعویذِ محبت' نے ختمِ نبوت کی محبت میں مزید گرفتار کر لیا۔ 'فائدے کی بات' نے بھی کافی فائدہ دیا۔ 'تکونے باغیچے کا کیکر' کا اختتام بہت پسند آیا بیچ میں کہانی بور کرتی رہی۔ (مولانا محمد اشرف۔ حاصل پور)

ج: ہمیں تو مگر آپ کے خط کا درمیان اور اختتام دونوں پسند آیا۔

☆ شمارہ ۱۰۹۴ میں آپ نے اپنی تصوراتی دستک میں ہمارے بارے میں جس حسنِ ظن کا گمان کیا، ہم اس پر آپ کے شکر گزار ہیں۔ دعا ہے آپ کا یہ تصوراتی سفر جلد حقیقت کا روپ دھار لے اور ہم...... آپ (مدیر جی) لکھاریوں اور قارئین کی میزبانی کا شرف حاصل کریں۔ ہمارا گھر ملتان شہر کے وسط میں ہے۔ قلعہ کہنہ قاسم پارک (جہاں بہاء الدین زکریاؒ اور شاہ رکن عالمؒ کے مزار ہیں) ہمارے گھر کے بالکل قریب ہے۔ تاریخی عیدگاہ مسجد اور قدیم تاریخی دروازے بھی زیادہ دور نہیں۔ ہمارے تین بھائیوں کی رہائش گاہ ایسی جگہ ہے جہاں سے دریائے چناب اور ہیڈ محمد والا قریب پڑتے ہیں اور چاروں طرف آم اور کینوؤں کے باغ ہیں۔ ملتان کا مشہور مولانا عبدالودود کا سوہن حلوہ ہمارے ہی محلے میں بنتا ہے۔ پرانا قاسم العلوم (جہاں مفتی محمودؒ درس حدیث دیتے تھے) بھی ہمارے محلے میں ہی ہے۔ پیر ناصر الدین خاکوانی صاحب کا خاکوانی خاندان بھی ہمارے ہی محلے میں رہائش رکھتا تھا اور سب سے بڑھ کر حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا مزار (یعنی قبر کا احاطہ) تو ہمارے گھر سے محض چند قدم کے فاصلے پر ہے۔ اگر آپ اور قارئین ہمیں اپنی میزبانی کا شرف بخشیں گے تو یہ ہمارے لیے باعثِ مسرت ہوگا۔ اگر ایک قریب کے شمارے میں سجاد وسیم آرائیں صاحب کے ایک خط کے جواب میں آپ نے ہمارا ذکر نہ کیا ہوتا تو ہم خطوط میں آئندہ کبھی اپنا نام بھی نہ لکھتے، کیونکہ اُن دنوں ہم مصمم ارادہ کر چکے تھے کہ آئندہ کبھی اپنا اصل نام نہیں لکھیں گے۔ (عبدالصمد زاہد۔ ملتان)

ج: واہ جناب! آپ کی پُرخلوص اور محبت بھری پیشکش کا بہت شکریہ۔ سمجھیے، آپ نے یہ خط لکھ کر ہماری میزبانی کر لی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے، آمین! ویسے اصل نام نہ لکھنے کا مصمم ارادہ کیوں کیا تھا آپ نے؟

☆☆☆

باباب درخت

ملک نیاز

باباب (baobab) درخت کا براعظم افریقا میں اُگنے والے بہت خاص درختوں میں شمار ہوتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق یہ دیو جیسے نظر آنے والے درخت زمین کے قدیم ترین درختوں میں سے ہیں۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ براعظم افریقا میں سالانہ بارش کی اوسط نہایت کم ہونے کی وجہ سے آب و ہوا بہت زیادہ خشک ہوتی ہے، اتنی خشک کہ وہاں پر دوسرے درخت مشکل ہی سے اگتے ہےلیکن اس ماحول میں باباب درخت کامیابی کے ساتھ سیکڑوں برس سے موجود ہیں۔

دراصل اللہ رب العزت نے اِس درخت کو ایک بہت اہم صلاحیت دے رکھی ہے وہ یہ کہ یہ برسات کے موسم میں اپنے ٹینک جیسے وسیع اور بوتل نما تنے میں اونٹ کے کوہان کی طرح پانی کو جذب اور ذخیرہ کرلیتے ہیں۔ ایک مکمل درخت اپنے تنے میں ہزاروں لیٹر پانی ذخیرہ کرسکتا ہے۔ اُن کے تنوں میں جمع ہونے والا پانی اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ یہ درخت اُس پانی کی بدولت برسوں کی خشک سالی میں بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔

آپ ذرا تصور کیجیے کہ خشک اور گرم صحرا بیابانوں میں جہاں میٹھا پانی دور دور تک موجود نہ ہو، وہاں قدرت نے جابجا میٹھے اور صاف پانی کی جھیلیں نہیں بلکہ زمین پر عمودی محفوظ ٹینکیاں کھڑی کررکھی ہیں۔ ناریل کی طرح جس سے آپ اپنی پیاس بھی بجھا سکتے ہیں، اس کے پھل سے اپنی بھوک بھی مٹا سکتے ہیں اور اسے پناہ گاہ کے طور پر بھی استعمال کرسکتے ہیں!

جی ہاں! باباب کے درخت؛ جانوروں اور انسانوں کے لیے بیک وقت پناہ گاہ، خوراک اور پانی فراہم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے ”سوانا“ قبائل نے اپنے گھر باباب کے درختوں کے قریب بنا لیے ہیں، بلکہ کچھ گھرانے تو ان کے کمروں جیسے تنوں تک میں آباد ہوجاتے ہیں۔ انہی وجوہ سے خشک بنجر علاقوں میں اس درخت کو ”زندگی کا درخت“ کہا جاتا ہے۔

یہ درخت جو افریقا کے قریب بتیس ممالک میں پایا جاتا ہے، ۳۰ میٹر تک اونچا ہوسکتا ہے اور یہ پانچ ہزار سال تک زندہ رہ سکتا ہے......!

اسے خاص طور پر افریقی ملک مڈغاسکر کا خزانہ بھی کہا جاتا ہے۔

اس درخت کا پھل بھی غیر معمولی طور پر مفید غذائی اجزا اور اینٹی آکسیڈنٹس سے بھرپور ہوتا ہے۔ باباب کا پھل دنیا کا واحد پھل ہے جو اپنی شاخ پر قدرتی طور پر سوکھتا ہے۔ گرنے اور خراب ہونے کے بجائے، یہ شاخ پر رہتا ہے اور چھے ماہ تک دھوپ میں پکتا ہے۔ جب پھل کا گودا مکمل طور پر سوکھ جاتا ہے تو اس کا سبز مخملی چھلکا بالکل ناریل کی طرح ایک سخت خول میں تبدیل کردیتا ہے۔

حیرت انگیز طور پر اِس پھل کی قدرتی شیلف لائف تین سال ہوتی ہے۔ یہ تھکاوٹ، ہاضمہ، بیماروں سے تحفظ اور انفیکشن کے علاوہ جلد کی خوبصورتی کے لیے صدیوں سے استعمال ہورہا ہے۔

اِس درخت کی چھال سے رسیاں بنائی جاتی ہے، جبکہ اُس کے پتے مویشی شوق سے کھاتے ہیں۔ اس کے تنے میں موجود صاف پانی کو پیا بھی جاسکتا ہے، جبکہ اس کے پھل کے بیجوں سے بنایا گیا تیل کاسمیٹکس اور مختلف ادویہ میں استعمال ہوتا ہے، جن کی مارکیٹ میں بہت زیادہ اہمیت ہے۔

باباب کے درخت دیہی افریقا کے سب سے خشک، دور دراز اور غریب ترین حصوں میں اگتے ہیں۔

نیشنل جیوگرافک کے رپورٹ کے مطابق اپنی منفرد حصوصیات کی وجہ سے اس درخت کی مانگ مسلسل بڑھ رہی ہے۔

☆☆☆